جلد ۸۲ | مئی، جون ۱۹۹۸ء | شمارہ - ۵، ۶

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے
پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴ - ۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

قرآن مجید کی روشنی میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ ۟ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ ○

یہی وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

صلوٰت۔ صلوٰۃ کی جمع ہے جس کے معنی دعا ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اپنے بندہ کے حق میں اس کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاک کرنا ہے (غ) یا بندہ یا فرشتہ کی صلوٰۃ بندہ کے حق میں دعائے مغفرت ہے اور اللہ کی صلوٰۃ خود مغفرت ہے۔ علاوہ صلوٰۃ کے رحمت کا لفظ بھی فرمایا یعنی صرف حفاظت ہی نہیں فرماتا بلکہ انعام واحسان بھی کرتا ہے۔

ہُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ○

وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے اور وہ مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔

اللہ اور فرشتوں کی صلوٰۃ : یصلی علیکم اللہ کی صلوٰۃ سے مراد تزکیہ یا گناہوں سے پاک کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ استغفار ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے ہے کہ صلوٰۃ اللہ کی طرف سے رحمت ہے اور فرشتوں کی طرف سے استغفار یعنی حفاظت الٰہی کا طلب کرنا اور انسانوں کی طرف سے دعا (راغب) اور اللہ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا اکٹھا ذکر اس لئے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تزکیہ ملائکہ کی وساطت سے ہوتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو گناہوں کی ظلمت سے نکالے تو ملائکہ اس کے دل میں نیکی کی تحریک کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ○

اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو۔

آنحضرت صلعم پر درود: یہاں مومنوں کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ بھیجو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ کس طرح آپؐ پر صلوٰۃ بھیجیں تو آپؐ نے فرمایا یوں کہو **اللّٰھُمَّ صلی علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔ اللّٰھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی ال ابراھیم انک حمید مجید۔** ایک حدیث کا منکر استہزا کے طور پر کہتا ہے کہ خدا نے تو مومنوں کو حکم دیا تھا کہ نبیؐ پر صلوٰۃ بھیجیں۔ یہ خدا کو کہتے ہیں تو نبیؐ پر صلوٰۃ بھیج۔ اس استہزا کی وجہ جہالت ہے۔ اللہ کی صلوٰۃ اور بندوں کی صلوٰۃ دو مختلف چیزیں ہیں۔ بندے خود تو کوئی طاقت نہیں رکھتے کہ وہ نبیؐ پر صلوٰۃ بمعنی مغفرت یا برکت بھیجیں مغفرت اور برکات کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہے اس لئے مومنوں کا صلوٰۃ بھیجنا سوائے اس کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور یہ کہنا کہ انہیں الفاظ کو دوہرایا جائے جو قرآن شریف میں ہیں اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہے۔ قرآن شریف ایک کام کے لئے ایک حکم دیتا ہے اس کی تعمیل یہ نہیں کہ ہم حکم کو رٹتے جائیں۔ کیا اقیموا الصلوٰۃ کے حکم کی تعمیل یوں ہو جائے گی کہ ہم بھی وظیفہ کرتے رہیں اقیموا الصلوٰۃ، اقیموا الصلوٰۃ یا حکم ہو کہ استغفار کرو تو ہم بھی کہتے رہیں استغفار کرو یا حکم ہو کہ اللہ کو بہت یاد کرو تو ہم بھی کہتے رہیں اللہ کو بہت یاد کرو۔ اور نبی صلعم پر صلوٰۃ بھیجنے سے نہ صرف آنحضرت صلعم سے محبت پیدا ہوتی ہے بلکہ ان فیوض و برکات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے جو آپؐ کی وساطت سے دنیا کو پہنچ رہے ہیں اور احادیث درود شریف کی فضیلت سے بھری پڑی ہیں۔ مومنوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم آپؐ کے لئے رحمت و برکت کی دعا کرو جس میں اشارہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی عزت و مرتبہ دنیا میں ترقی کرتا رہے گا۔ کیونکہ جو دعا اللہ تعالیٰ خود سکھاتا ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔

— تفسیر بیان القرآن از حضرت مولانا محمد علی

قرآن مجید اور حدیث کی روشنی میں

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور اس کی اہمیت — ۱

خطبہ جمعہ از عامر عزیز، ایم اے

ان اللہ و ملئکۃ یصلون علی النبی یایھاالذین امنو صلو علیہ و سلمو اتسلیما (الاحزاب ۳۳:۵۷)

ترجمہ:۔ "بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو"۔

حضرت امیر جناب ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے کچھ عرصہ قبل مجھے حکم دیا تھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے متعلق قرآن مجید اور حدیث میں بیان کردہ معانی اور مفہوم پر تحقیق کروں اور انہیں آپ کے سامنے پیش کروں۔ میں نے ایک حقیری کوشش کی ہے۔ جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ یارسولؐ اللہ ہم آپؐ پر کس طرح درود بھیجیں تو آپؐ نے جواب میں یہ مسنون درود پڑھنے کا حکم دیا:

اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجید' اللھم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انک حمید مجیدo

اے اللہ تو درود بھیج محمدؐ پر اور حضرت محمدؐ کی آل پر جیسا کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ تو برکت بھیج حضرت محمدؐ پر اور حضرت محمدؐ کی آل پر جس طرح تو نے برکت بھیجی حضرت ابراہیمؑ پر اور حضرت ابراہیمؑ کی آل پر بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

اس مسنون اور درود کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں لفظ صلی استعمال ہوا ہے یعنی کہ (درود بھیجنا) اور دوسرے حصے میں برکت کے حصوں کا ذکر ہے۔ میں ان دونوں حصوں پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالوں گا۔ اور جہاں جہاں قرآن مجید میں ان کا ذکر آیا ہے ان کی تشریح آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سب سے پہلے مندرجہ بالا آیت اور ان میں پنہا مفہوم اور ان روحانی برکات وفیوض کی کچھ تفصیل بیان کروں گا جو درود کے پڑھنے کے نتیجہ میں ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔

اس آیت کو سمجھنے سے قبل سورہ الاحزاب کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

یہ سورہ جنگ احزاب کے بارے میں نازل ہوئی جس میں عرب کی بہت سے قبائل مل کر اسلام کو کچلنے کے لئے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے چنانچہ صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے شہر کے اردگرد خندق کھودی گئی۔ دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ آن پڑی کہ مدینہ کے یہودی بھی کفار کے ساتھ مل گئے۔ بڑا ہی نازک وقت تھا قرآن مجید میں ان مخدوش حالات کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

اذجاو کم من فوقکم و من اسفل منکم و اذزاغت لابصار و بلغت القلوب الحناجر (الاحزاب ۳۳:۱۰)

ترجمہ "جب وہ تمہارے اوپر سے تمہارے نیچے سے تم پر آ گئے اور جب آنکھوں میں اندھیرا آ گیا اور دل (دہشت سے گویا) گلوں تک پہنچ گئے"۔

مومنوں پر یہ بڑے سخت کرب اور مصیبت کی گھڑی تھی قرآن مجید نے اس مصیبت کا یوں ذکر کیا ہے۔

حنالک ابتلی المومنون و زلزلو ازلزالا شدیدا (الاحزاب ۳۳:۱۱)

ترجمہ "وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت مصائب میں ڈالے گئے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دلائی اور ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ مسلمان نہ صرف فاتح ہوئے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کی زمینوں کا وارث بنا دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم

"تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا۔ (الاحزاب ۳۳:۲۷)

اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے مسلمانون کو یہ خوشخبری دی کہ اسلام وہ مذہب ہے جو کہ اب ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی روحانیت کبھی منقطع نہیں ہو گی۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں (الحزاب ۳۳:۲۷)

اب اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے میں اس آیت کی طرف آتا ہوں جس میں رسول کریمؐ پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسنون درود جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں اس کا سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ اس دعا میں رسول کریمؐ نے اپنی امت کو بھی شامل کیا ہے۔

آل سے مراد یہاں پوری امت ہے۔ تمام مذاہب اور تمام انبیاء میں یہ امتیاز صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ آپؐ نے یہ دعا اپنی امت کو سکھلائی اور امت ان پر درود بھیجتی ہے تاکہ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر ہمیشہ رحمت اور برکت نازل ہوتی رہے۔ درود کے کئی اہم روحانی پہلو بھی ہیں۔ میں چند کا ذکر کروں گا۔

۱۔ درود ڈھال ہے مصائب اور تکالیف میں۔ جس طرح آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کو خدا تعالیٰ نے اس کی برکت سے جنگوں میں فتح دی اور مختلف مصائب سے نجات دلائی۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اس دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تمام مصائب اور مشکلات سے نجات دے۔

اس آیت میں لفظ (یصلون) آیا ہے۔ جو صلوۃ سے مضارع کا صیغہ ہے جس کے اصل معنے دعا کے ہیں نماز کا نام بھی صلوٰۃ اس لئے رکھا ہے کہ یہ ایک دعا ہے۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی جلنا یا جلانا کے ہیں۔ تو صلوٰۃ وہ دعا ہے جو انسان کے دل میں خدا کی عبادت اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر چلنے کی تڑپ پیدا کرتی ہے۔

۲۔ درود کا دوسرا مقصد خدا تعالیٰ سے قرب حاصل کرنا ہے۔ یعنی رسول کریمؐ پر درود بھیج کر بندہ چاہتا ہے کہ اسے بھی خدا کی محبوبیت کا کچھ حصہ ملے۔ جس کا کامل اظہار رسول اکرمؐ کی ذات میں ہوا۔ قرآن کی آیت کے الفاظ ''اللہ اور اس کے ملائکہ آپؐ پر درود بھیجتے ہیں'' پر زیادہ گہرے رنگ میں غور کرنے کی ضرورت ہے ملائکہ نیکی کے محرک ہوتے ہیں۔ ملائکہ کا رسول اکرمؐ پر درود بھیجنا یہ ہے کہ نیک روحیں اسلام کے حلقہ بگوش ہوں اور دن بدن رشد و ہدایت کا یہ نور دلوں کو منور کرتا چلا جائے۔

درود کے سلسلہ میں ایک اور نہایت اہم پہلو بھی ہے جو اپنے اندر پیشگوئی کا رنگ رکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ رسول کریمؐ کو خدا کی قبولیت اس حد تک حاصل ہوگی کہ ان کی لائی ہوئی نور ہدایت دنیا میں پھیلے گی اور تمام ادیان پر غالب آئے گی۔

درود کے دوسرے حصے میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ

''اے ایمان والو تم بھی رسولؐ پر درود و سلام بھیجو''

یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اسلام عمل کی تلقین کرتا ہے صرف زبانی اقرار دعوی کوئی چیز نہیں۔ درود شریف اسی لئے ہمیں سکھایا گیا ہے کہ ہمارے دلوں میں تڑپ پیدا ہو اور ہم اسلام یعنی آنحضرتؐ کے دین کو دنیا میں پھیلائیں یعنی درود پڑھنے کا ایک بڑا مقصد تبلیغ دین کے لئے جذبہ پیدا کرنا اور عملی جدوجہد کرنا ہے۔

اب میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی مختلف آیات پیش کرتا ہوں جن میں لفظ صلی استعمال ہوا ہے۔ اور جن سے معلوم ہوگا کہ درود میں پوشیدہ کتنی اہم دعائیں اور روحانی نصرت حاصل کرنے کے کتنے خزائن ہیں۔ جن کی طرف ہماری توجہ دلانا اصل مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہم اپنے مومن بندوں پر بھی صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

ولنبلونکم بشی من الخوف الجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالو انا لله و انا الیه راجعون۔ اولئکَ علیهم صلوات من ربهم و رحمةو اولک هم المهتدون۔

ترجمہ:۔ اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان لیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور یہی ہیں وہ جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔ اور یہی وہ جو ہدایت پانے والے ہیں۔ (بقرہ ۲:۱۵۵) یعنی خدا کی راہ میں تکلیف اٹھانے والوں پر صلوٰۃ یعنی رحمت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب کسی مقصد کے حصول کے لئے تکالیف برداشت کی جائیں تو صبر دکھانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ارادے میں مضبوطی پیدا کرتا ہے اور اپنے کرم اور افضال کی بارش نازل کرتا ہے جس کی بدولت انسان کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ تو درود کا اہم عملی پہلو یہ ہے کہ بندہ خدا کی راہ میں دکھ اٹھانے سے نہ گھبرائے کیونکہ یہی مغفرت و نجات کا راستہ ہے۔

درود کا ایک اور خوبصورت اور روشن پہلو قرآن مجید کی سورہ (الاحزاب ۳۳:۴۳) میں بیان ہوا ہے:

هو الذی یصلی علیکم و ملئکة یخرجکم من الظلمت الی النور

ترجمہ:۔ وہی ہے جو تم پر صلوٰۃ (درود) بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے۔ یہاں نور سے مراد راہ ہدایت ہے وہ راہ ہدایت جو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل دنیا کو اپنی پاکیزہ تعلیم، پاک نمونہ اور زندہ خیالات و افکار کے ذریعہ سے دکھائی۔ درود درحقیقت روحانی بلندی اور ذہنی پاکیزگی حاصل کرنے کا وہ ذریعہ ہے جو انسان کو جہالت اور گمراہی سے نکال کر روشنی اور صراط مستقیم کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ صراط مستقیم جو کہ انسانوں کو اپنے رب حقیقی سے جا ملاتی ہے۔ اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی نشان دہی قرآن مجید کرتا ہے۔ درود کے پڑھنے سے انسان گمراہی سے دور ہوتا اور نیکی اور مغفرت کے راستہ پر زیادہ یقین اور مضبوط ارادے سے گامزن ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو اور اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی میں کامیابی اور کامرانی کا ضامن ہے۔

انگریزی سے ترجمہ

ممتاز احمد باجوہ' ایم اے

نیا نظام عالم — ۲

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

حضرت مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی معروف کتاب "نیو ورلڈ آرڈر" کا ترجمہ

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ دنیا میں مذہب باہم نفرت اور خون خرابے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر مذہب کی تاریخ پر طاہرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ یہ ایک شرمناک غلط فہمی ہے۔ محبت' اتفاق' ہمدردی' دوسروں سے مہربانی کا سلوک ہر مذہب کا پیغام رہا ہے۔ اور ہر قوم نے یہ سبق حقیقی معنوں میں بے نفسی اور خدمت کے جذبہ کے ذریعہ سیکھا جو خدا پر ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر خود غرضی' نفرت اور خون خرابا مذہبی لوگوں میں ہے تو اس کی وجہ مذہب نہیں۔ مذہب کا تو پیغام ہی محبت اور خدمت ہے۔ ان برائیوں کی موجودگی کی وجہ انسانی فطرت کا ان کی طرف جلد اور آسانی سے مائل ہو جانا ہے پھر اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی انسانیت کو زیادہ مذہبی بیداری اور خدا پر زیادہ سچے اور پکے ایمان کی بے حد ضرورت ہے۔ انسان جلد گھٹیا اور رذیل عادات کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نیک جذبات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نشو و نما کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اگر انسانی تہذیب کی صحیح بنیاد اتحاد ہے جس سے میری مراد صرف ایک قوم یا ایک ملک کی تہذیب نہیں بلکہ مجموعی طور پر تمام انسانیت ہے۔ تو بلاشبہ اسلام سب سے بڑی تہذیبی قوت ہے جس کا تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے یا جس کی صداقت کا مستقبل میں پتہ چلنے کا امکان ہے۔ تیرہ سو سال پہلے اسلام ہی تھا جس نے انسانیت کو ظلم و جبر کی انتہائی گہرائیوں میں گرنے سے بچایا اور اس تہذیب کی مدد کو آیا جس کی بنیادیں ہی منہدم ہو چکی تھیں۔ اور اس نے ایک مرتبہ پھر تہذیب و اخلاق کی نئی بنیادیں قائم کیں۔

اسلام نے انسانیت کے مجموعی اتحاد کا ایسا تصور پیش کیا جس میں صرف ایک قوم یا دو قومیں نہیں بلکہ پوری انسانیت کو شامل کیا گیا۔ یہ تصور یا نظریہ اتنا طاقتور تھا کہ اس نے ابتدائے آفرینش سے آپس میں لڑنے اور نفرت کرنے والی قوموں میں ایک مضبوط اتحاد قائم کر دیا۔ اور یہ معجزہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں لڑنے والے قبائل میں ہی رونما نہ ہوا بلکہ جیسا کہ ایک انگریزی مصنف لکھتا ہے۔ یہ ایسا عظیم معجزہ تھا جس کے سامنے تمام گزشتہ تاریخی حقائق اپنی حقیقت کھو بیٹھے۔ "اس سے زیادہ متفرق قوم شاید ہی کوئی ہو۔ یہاں تک کہ ایک معجزہ رونما ہوا۔ ایک آدمی اٹھا۔ جس نے اپنی شخصیت اور خدا سے براہ راست تعلق کے دعویٰ کی بنا پر ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ یعنی آپس میں متصادم قوموں کو ملا دیا۔"

(Ins and outs of Mesopotamia p.99)

اسلام نے نہ صرف ایک ملک میں آپس میں بر سرپیکار قبیلوں کو متحد کر دیا بلکہ اس نے دنیا کی تمام ان قوموں کو بھی جن میں سوائے انسانیت کے کوئی چیز قدر مشترک نہ تھی بھائی چارہ اور اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔ اس نے رنگ و نسل' زبان' جغرافیائی حدود اور تہذیبوں کے اختلافات کو یکسر مٹا کر رکھ دیا۔ اس نے انسان کو انسان سے اس طرح ملا دیا کہ مشرق بعید میں رہنے والوں کے دل مغرب بعید میں رہنے والوں کے ساتھ دھڑکنا شروع ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام انسانیت کو متحد کرنے والی ایک بڑی قوت ہی نہیں بلکہ واحد قوت ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب نے تو صرف ایک نسل یا ایک قوم کے مختلف طبقات کو متحد کیا لیکن اسلام نے حقیقتاً مختلف نسلوں اور قوموں کو متحد کیا اور انسانیت کے متصادم اور متضاد طبقوں میں ہم آہنگی پیدا کر دی۔

اسلام نے نہ صرف مختلف نسلوں کو ایک نسل کی شکل میں متحد کر دیا بلکہ مختلف قوموں کو ایک انسانی قوم میں متحد کر دیا ہے اور ایسا اتحاد جو کسی بھی تہذیب کی مضبوط ترین بنیاد بن سکتا ہے۔ اس نے انسان کو اس کی گم شدہ تہذیب کو لوٹا دیا۔

(J.H.Denison in Emotion as the basis of Civilization)

اس بارے میں ایک مغربی مفکر نے یوں لکھا ہے:

"پانچویں اور چھٹی صدی عیسویں میں مہذب دنیا افراتفری کے دھانے پر کھڑی تھی۔ قدیم قومی احساسات سے سرشار تمدن جس کی وجہ سے

تہذیب کا وجود میں آنا ممکن ہوا تھا اور جس نے انسان میں اتحاد اور اپنے حاکموں کے لئے تعظیم کا جذبہ پیدا کیا تھا بکھر چکا تھا۔ اور اس کی جگہ لینے کے لئے کوئی متبادل چیز نہ تھی...

"اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عظیم تہذیب جس کی تعمیر و تشکیل میں چار ہزار سال لگ گئے تھے تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اور ایسا لگتا تھا کہ انسان اپنی پہلی وحشیانہ حالت کی طرف لوٹ رہا ہے۔ جبکہ ہر قبیلہ اور ہر جماعت دوسرے کی دشمن تھی اور نظم و نسق کا کہیں نام و نشان نہ تھا..... .پرانے قبائلی نظام وقعت کھو بیٹھا تھا۔ عیسائیت کا رائج کردہ نیا ضابطہ اخلاق اتحاد کی بجائے نفاق اور تباہی کا باعث بن رہا تھا۔ تہذیب ایک بہت بڑے درخت کی طرح، جس کی پتوں سے لدی ٹہنیاں دنیا کے کناروں تک پہنچ چکی تھیں، ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو تھی اور اس کی جڑیں تک گل سڑ چکی تھی۔ کیا قومی احساس سے سرشار کوئی ایسے تمدن کو وجود میں لایا جا سکتا تھا۔ جو تمام انسانوں کو ایک مرتبہ پھر پہلے جیسی وحدت میں اکٹھا کر کے تہذیب کو بچا سکتا۔"

پھر عرب کا ذکر کرتے ہوئے مصنف کہتا ہے:

"ان لوگوں میں ایک ایسا آدمی پیدا ہوا جس نے مشرق اور جنوب کی تمام جانی پہچانی قوموں کو متحد کر دیا۔"

تہذیب کو ایک مرتبہ پھر انتشار اور تباہی کا سامنا ہے اور وہی حالات پیدا ہو چکے ہیں جو چھٹی صدی میں تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کے خلاف بر سرپیکار ہے اور اس کو تباہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ ایسی ایک قوت سب سے بڑی انسانی ضرورت ہے جو تمام قوموں کو ایک انسانیت میں متحد کر سکے۔ ایسی جو لوگوں کے ذہنوں میں ایسی تبدیلی لا سکے جو باہمی حسد اور نفرت کو ختم کر دے۔ یہ صرف اخلاقی قوت ہی ہو سکتی ہے اور اخلاقی قوت مذہب ہی فراہم کر سکتا ہے۔ اسلام نے ساتویں صدی میں یہ قوت مہیا کی اور اس کا آغاز عرب سے ہوا۔ اس زمانے میں عرب میں بھی ایسی ہی تباہ کن باہمی جنگ و جدل کی حالت تھی جیسی صورت حال آج کل یورپ پیش کر رہا ہے۔ اس صحرائی سرزمین میں قبیلے اور خاندان لامتناہی خانہ جنگی کی گرفت میں تھے۔ چھوٹی سی چیز یا بات دیا سلائی کا کام دیتی تھی اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے جو سالوں تک جاری رہتی تھی۔ تمام قبائل جنگ کی آگ میں کود پڑتے کچھ ایک طرف ہو جاتے اور کچھ دوسری طرف۔ وسیع پیمانے پر خون خرابا اور تباہی ہوتی۔ جب اس جنگ و جدل سے تھک جاتے تو صلح کر لیتے اور ابھی معاہدے کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پاتی تو پرانی عداوتیں جو اندر ہی اندر سلگ رہی ہوتیں پھر بھڑک اٹھتیں اور ملک دوبارہ جنگ کی آگ کے شعلوں کی نذر ہو جاتا۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے غرضیکہ دشمنی کا یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ تمام لوگ جنگ کی آگ کے ان شعلوں میں خاک کا ڈھیر بن جاتے۔ ان حالات میں خدا تعالیٰ نے آسمان سے اپنی رحمت کا ٹھنڈا مینہ برسایا۔ جس نے انتہائی پرانی دشمنیوں اور عداوتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس کی جگہ باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کر دی۔

بظاہر یہ بات عجیب نظر آئے گی کہ وہ بھائی چارہ جس کی بنیاد عرب میں ساتویں صدی عیسوی میں ڈالی گئی صرف جزیرہ نما عرب تک محدود نہ رہا بلکہ ایک صدی کے قلیل عرصہ میں عرب کی حدود سے بہت دور تک کے علاقوں نے اس کے ذریعہ علم اور تہذیب کی روشنی حاصل کی۔ اس روشنی کی ابتدا اس چھوٹے سے جزیرہ نما سے ہوئی جسے کوئی نہ جانتا تھا۔ انسانی وحدت کا یہ بے مثال مظاہرہ اس جدید تمدن کا بنیادی پتھر تھا اور انسانی تاریخ نے اس سے پیشتر ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا۔ کسی اور مصلح اور مذہب نے انسان کے لئے ایسے بھائی چارے کا خواب نہ دیکھا ہو گا۔ جو رنگ و نسل، ملک و زبان، طبقاتی تقسیم، ادنیٰ و اعلیٰ کی حدود کو تسلیم نہیں کرتا۔ نسل انسانی کی یہ وحدت انسانی تصور سے بالا تھی۔ اسلام نے نہ صرف انسان میں سماجی اور سیاسی حقوق میں برابری کے اصول کو تسلیم کیا بلکہ روحانی حقوق میں بھی سب کی برابری کو ایک حقیقت جانا۔ "تمام انسان ایک قوم ہیں" (قرآن ۲:۲۱۳) اس کا بنیادی اصول ہے۔ اسی بنا پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ہر قوم نے خدا کی وحی کا روحانی انعام پایا۔ اب تک یہی خیال تھا کہ یہ انعام صرف کسی ایک خاص قوم یا کسی محبوب قوم کے لئے مخصوص ہے۔ "دنیا میں کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا (نبی) گزر چکا" (قرآن ۳۵:۲۴)

قطع نظر رنگ و نسل، زبانوں کے اختلافات اور جغرافیائی حد بندیوں کے انسانی تہذیب کے لئے انسانیت کے ایک قوم ہونے کا تصور، اسلام کا یکتا اور بے مثال کارنامہ ہے۔ یہ اختلافات کو دور کرنے کا واحد علاج ہے اور قوموں کے درمیان حسد اور نفرت کے جذبات کے زہر کا تریاق۔ جن کی وجہ سے انسانیت اور انسانی تہذیب تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ عیسائیت اسلام کی طرح ایک لحاظ سے بین الاقوامی مذہب ہے کہ اس نے بہت سی قوموں کو اپنے حلقہ میں داخل کیا ہوا ہے لیکن لفظ کے حقیقی معنوں کے لحاظ سے تمام قوموں کو ایک حیثیت دینے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں صرف اسلام ہی ایک بین الاقوامی مذہب ہے۔ اس معاملے میں عیسائیت کو بری طرح ناکامی ہوئی ہے۔ سفید رنگ کا عیسائی سیاہ رنگ کے عیسائی سے اب

بھی نفرت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اسی ملک میں رہتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ میں ہے جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ عیسائی ملک ہے اور جمہوریت کا گھر ہے' جہاں روز ویلٹ کی نیک خواہشات کے باوجود نیگرو اور سفید رنگ کے عیسائی ایک چھت کے نیچے اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ مغرب کے عیسائی مشرق کے عیسائیوں سے اپنے کو اعلیٰ درجے کا سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر ایک ہی گرجا میں خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ ہندوستان کی ادنیٰ ذاتوں سے ہونے والے عیسائی اعلیٰ درجہ کے برہمن کے نزدیک اب بھی اچھوت ہی ہیں۔ عیسائیت اس رنگ میں انسانی اتحاد قائم کرنے میں ناکام ہوئی ہے۔ دوسری طرف اسلام نے عالمی برادری کے لئے ایک عالمی نظام کو جنم دیا ہے۔ جس میں مشرقی ہو یا مغربی سفید ہو یا سیاہ۔ آرین ہو یا سامی۔ ہندوستانی ہو یا نیگرو سب کو ایک ہی درجہ حاصل ہے۔ جونہی ایک نیگرو یا اچھوت دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو فوراً ہی سفید فام یا اعلیٰ ذات کے نو مسلم کے برابر درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ بلکہ وہ اسلامی معاشرے کے تمام ممبران کی برادری میں شامل ہوجاتا ہے۔ وہ نہ صرف ایک ہی مسجد میں عبادت کرسکتا ہے۔ بلکہ سب سے معزز ترین اسلامی بھائی کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب یا معاشرہ یا نظام میں مساوی حقوق فراہم کرنے اور باہم اتحاد قائم کرنے کی یہ قوت موجود نہیں۔

دنیا میں حقیقی جمہوریت صرف اسلام کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جو تمام نسل انسانی کے لئے برابری فراہم کرسکتی ہے۔ یہ اتنا طاقتور روحانی اثر رکھتا ہے کہ جونہی کوئی اسلامی نظام میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ایسی اونچائی اور بلندی پر محسوس کرنے لگتا ہے کہ رنگ و نسل' ذات پات یا عہدوں کے تمام امتیازات گویا جادو کی چھڑی کی مانند ختم ہوجاتے ہیں۔ آج بھی اسلام ایسی روحانی قوت کی حامل ہے جس کے دوست اور دشمن دونوں قائل ہیں گو اگرچہ اس وقت وہ حکومتی طاقت سے محروم ہے۔ اس سلسلے میں مسٹر گب کی کتاب "ودر اسلام" کا آخری پیرا ملاحظہ فرمائیں: "اسلام نے ابھی انسانیت کی مزید خدمت سرانجام دینی ہے۔ اس سلسلہ میں کسی اور معاشرے کی کامیابی کا ایسا ریکارڈ نہیں ہے جس نے بہت سی مختلف نسلوں کو مساوی معاشرتی حیثیت دی ہو۔ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں جدوجہد کے لئے مساوی مواقع فراہم کئے ہوں۔ افریقہ' ہندوستان اور انڈونیشیاء میں مسلمانوں کی بڑی جمعیت اور چین کی چھوٹی بلکہ جاپان کی اس سے بھی چھوٹی جمعیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسلام میں اب بھی نسل اور روایات کے بظاہر شدید مخالف عناصر کے مابین مصالحت کرانے کی قوت موجود ہے۔ اگر کبھی مشرق و مغرب کے عظیم معاشروں میں مخالف عناصر کو باہم تعاون کے رشتوں میں منسلک کرنا مقصود ہو تو اسلام کا درمیانی واسطہ ہی ناگزیر ہوگا" (صفحہ ۳۷۹)۔

اسلام کا مختلف قوموں کے مابین عالمی سطح پر برادری اور اتحاد پیدا کرنے میں کامیابی کا راز کیا ہے؟ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ تمام نسل انسانی ایک خاندان ہے اور خدا ان کا خالق ہے۔ اور اس کی مختلف حصوں اور قبائل میں تقسیم صرف اس لئے ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر پہچان سکیں۔

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے۔" (قرآن ۴۹:۱۳)۔ یہ اصول ایک فرد کے لئے اور پوری قوم کے لئے یکساں طور پر کارفرما ہے۔ اسی طرح قوموں میں اعلیٰ قوم وہ نہیں ہے جو دوسروں کو غلام بناتی ہے اور ان کے حقوق اپنے پاؤں تلے کچل دیتی ہے۔ اخلاقی طور پر ایسی قوم وحشی پن کے نچلے درجے پر ہے۔ اعلیٰ قوم وہ ہے جو اپنے رب کے ہاں معزز ہے اور دوسروں کے حقوق کا احترام کرتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا تصور انسانیت یہ ہے کہ تمام لوگ ایک کنبہ کے طور پر ہیں۔ خواہ وہ رنگ و زبان و معاشرتی اعتبار سے کتنے ہی مختلف ہوں۔ خدا ان سب کا آقا و مالک ہے۔ یا عیسائیت کی اصطلاح میں وہ سب کا "باپ" ہے۔ ایک کنبے کے افراد خواہ وقتاً فوقتاً آپس میں کتنا ہی لڑتے ہوں وہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے نفرت نہیں کرسکتے۔ درحقیقت انسانیت کا یہ وسیع تصور ہی قومی' نسلی اور رنگ کے تعصبات کے خلاف تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اور زمین پر امن اسی بنیاد پر قائم ہوسکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ تمام لوگوں کے مابین مساوات اور بھائی چارے کا بنیادی تصور مسلمانوں کی زندگی میں عملی طور پر نماز کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ مسلمان روزانہ مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جہاں وہ اپنے خالق کے آگے کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ بادشاہ اپنی رعیت کے غریب ترین آدمی کے ساتھ' امیر آدمی زرق برق لباس پہن کر چیتھڑوں میں ملبوس فقیر کے ساتھ اور سفید آدمی کالے آدمی کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ مسجد کے اندر اعلیٰ حیثیت' دولت اور رنگ کے اختلافات ختم ہوجاتے ہیں۔ اور بھائی چارے' مساوات اور محبت کا ایک نیا ماحول بیرونی دنیا

سے بالکل مختلف مسجد کی مقدس چاردیواری کے اندر قائم ہو جاتا ہے۔ انسان کا روزمرہ کی جدوجہد کے درمیان پانچ اوقات میں مکمل امن اور محبت کے ماحول میں سانس لینا، جہاں عدم مساوات روزمرہ کا معمول ہو وہاں مساوات کا عملی مظاہرہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر حسد اور دشمنیوں کی جگہ محبت کا احساس ایک بڑی نعمت ہے۔ انسان کو روزمرہ کی زندگی عدم مساوات اور باہمی جھگڑے کے درمیان گزارنا ہوتی ہے۔ نماز کے ذریعہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اس آلودہ ماحول سے باہر آتا ہے۔ اور اس میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ مساوات، برادری اور محبت ہی انسانیت کے لئے خوشی کے اصل ذرائع ہیں۔ اگر ہم ان عظیم فوائد کو پیش نظر نہ بھی رکھیں جو ایک آدمی کو مسجد میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر محسوس ہوتے ہیں تب بھی مسجد میں گزرا ہوا وقت ضائع نہیں ہوتا کیونکہ اس دوران انسانیت کے بارے میں ہم سنجیدگی سے سوچ رہے ہوتے ہیں اور اس کا بہترین فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ان اصولوں کو سیکھ کر اچھی زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ بھائی چارے، مساوات اور محبت کی تعلیم پر جب ہم روزمرہ کی زندگی میں عمل کرتے ہیں تو یہ نسل انسانی کے اتحاد اور انسانی تہذیب کو لمبے عرصے تک قائم دائم رکھنے کی بنیاد بنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ روزانہ پانچ وقت کی باجماعت نماز دوسری باتوں کے علاوہ مساوات اور بھائی چارے کے اصولوں کو عملی جامہ پہناتی ہے جس کا اسلام علمبردار ہے۔ اسلام خواہ الفاظ میں انسانی مساوات اور معاشرے میں برادری کی کتنی ہی تبلیغ کرتا رہتا یہ تعلیم بے معنی ثابت ہوتی۔ اگر ان کا عملی اظہار روزمرہ کی عملی زندگی میں روزانہ کی باجماعت نمازوں کے ذریعہ نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ نماز کا ایک اور بھی بڑا فائدہ ہے۔ مذہب کا مقصد صرف یہی نہیں کہ وہ خدا کے موجود ہونے کے عقیدے کی تبلیغ کرے بلکہ اس کا اعلیٰ وارفع مقصد یہ بھی ہے کہ خدا پر ایمان کا عقیدہ عبادت گذار کے دل میں اس حد تک جاگزیں ہو جائے کہ وہ انسانی زندگی میں ایک متحرک قوت بن جائے اور نماز ہی وہ ذریعہ ہے جس سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ یقین کہ خدا ہے انسان کو صرف اس عقیدہ سے حاصل نہیں ہوتا کہ خدا کی قدرت بیرونی دنیا میں کارفرما نظر آتی ہے بلکہ اس حقیقت کو دل میں یقین کی حد تک بیٹھا لینے سے ہے کہ خدا انسان کے اندر بستا ہے اور اس حقیقت کو پالینا نماز کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ انسان کا عام تجربہ اس کی سچائی پر گواہ ہے۔ ہر زمانے میں اور ہر قوم میں ایسے آدمی گزرے ہیں جنہوں نے عبادت کے ذریعہ خدا کی موجودگی کی اس عظیم سچائی کو دلوں میں محسوس کیا ہے۔ انہوں نے انسانیت کی بہبود کے لئے اپنی زندگیاں قربان کر دیں۔ ان کے لئے خدا کا وجود کہ خدا ایک زندہ حقیقت ہے ایک اخلاقی قوت بن گیا۔ جس نے نہ صرف ان کی زندگیوں کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا بلکہ ان کو اس قابل بنا دیا کہ انہوں نے قوموں کی زندگیوں کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا اور یہ تبدیلی صدیوں تک قائم رہی اور جس کے نتیجہ میں قوموں اور ملکوں کی تاریخ یکسر بدل گئی۔ ان لوگوں کی بے غرضی اور صدق ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک تھی اور ان کی عملی شہادت نے جس کی تصدیق تمام قوموں اور زمانوں میں ہوئی اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ خدا کی ہستی پر ایمان سب سے اہم اخلاقی قوت ہے۔ اور جب یہ انسانی دل میں خدا کی عبادت کے ذریعہ ٹھوس حقیقت بن جاتی ہے تو یہ اخلاقی قوت اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ مضبوط ترین مادی طاقتیں اس کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہیں۔ کیا ان عظیم لوگوں کا تجربہ دوسروں کے لئے مشعل راہ نہیں بن سکتا۔ تاکہ دوسرے بھی خدا کو اپنی زندگیوں کی اخلاقی قوت بنا سکیں اور جو قوتیں اور صلاحتیں ایک انسان کو دی گئیں ہیں وہ دوسروں کو بھی دی گئیں ہیں اور ان کے صحیح استعمال سے ایک آدمی وہ کچھ کر سکتا ہے جو اس سے پہلوں نے کر دکھایا۔

درحقیقت تہذیب کی بنیاد مادی آسائشیں نہیں ہوا کرتیں جو انسان فطرت پر قابو پا کر حاصل کرتا ہے۔ اس کی اصلی بنیاد وہ نیک جذبات ہوتے ہیں جو خدا پر ایمان لانے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ تہذیب انسانی کی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ خدا پر ایمان انسان کی موجودہ ترقی میں سب سے بڑی قوت رہا ہے۔ یہ حقیقت کہ انسان میں جو کچھ نیکی اور بھلائی پائی جاتی ہے وہ انسان کے فطرت پر قابو پالینے سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ ایسا اپنے نفس پر فتح پانے کے نتیجہ میں ممکن ہوتا ہے۔ جو خدا پر ایمان کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت بدھ، حضرت کرشن جی، زرتشت، کنفیوسش اور حضرت محمدؐ جیسی ہستیوں نے نسل انسانی کی تاریخ کا رخ موڑ دیا اور جنہوں نے اس کو بداخلاقی اور بدحالی کی انتہائی گہرائیوں سے اٹھا کر اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ کسی ایک پیغمبر کی تعلیمات اور عملی نمونہ نے انسان کو اپنی رذیل اور سفلی خواہشات پر فتح پانے کے قابل بنایا اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ بے غرضی اور انسانی خدمت جیسے نیک مقاصد کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اگر ان نیک جذبات پر غور کیا جائے جو آج انسان کو نیکی کے لئے تحریک کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان کا منبع کسی نہ کسی بڑے اللہ والے کی تعلیمات اور نمونہ ہو گا۔ جس کا خدا پر گہرا

ایمان تھا اور جس کے ذریعے دوسرے انسانی قلوب میں خدا پر ایمان کا بیج بویا گیا۔

انسان کی اب تک کی اخلاقی اور روحانی ترقی جس کو حقیقت میں انسانی تہذیب کہا جاسکتا ہے خدا پر ایمان کا ہی نتیجہ ہے۔ مادی ترقی بالکل ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مادیت کی حاکمیت اور خود غرضی لازم و ملزوم ہیں۔ دولت کی مساوی تقسیم کا غیر ترقی پذیر نظام کبھی بھی نیک جذبات جن پر آج انسان فخر کرتا ہے کو تحریک نہیں دے سکتا۔ خدا کو نہ ماننے سے لوگ تنزل کی طرف جائیں گے اور آہستہ آہستہ بربریت کے دور کی طرف لوٹ جائیں گے۔

حقیقت میں انسانی تہذیب خدا پر ایمان اور وحدت نسل انسانی کے دو ستونوں پر مضبوطی سے قائم رہ سکتی ہے۔ یورپ میں جو مادیت پھیلی ہوئی ہے اس نے ان دونوں ستونوں کو گرا دیا ہے۔ جب تک ان کو بحال نہیں کیا جاتا۔ یورپی اقوام مادی آرام و آسائش کے باوجود صحیح معنوں میں خوشی اور امن کو نہیں پاسکتیں اور صرف اسلام ہی ایک ایسا جانا پہچانا نظام ہے جو دنیا میں بھائی چارہ قائم کرنے اور مختلف قوموں کو ایک مضبوط قوم بنانے میں کامیاب ہوا ہے اور صرف یہی ایک مذہب ہے جو مادی طاقتوں کا مقابلہ کرکے خدا سے تعلق قائم رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم کے تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے مقابلہ میں خدا پر زیادہ مضبوط ایمان رکھتا ہے۔ اسی خدا پر پختہ ایمان کی بدولت مسلمانوں کو ابتدائی زمانے میں فتوحات نصیب ہوئیں۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جہاں تک مادی وسائل کا تعلق تھا۔ ایران اور روم کے پاس ان کی کثرت تھی۔ عرب اس معاملے میں نہایت تہی دست تھے۔ اول الذکر کے جنگی ساز و سامان بہت زیادہ طاقتور اور تعداد کے لحاظ سے عربوں کا ان دو سلطنتوں کی فوجوں سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس کے باوجود جب یہ دو طاقتور فوجیں عرب مسلمانوں کے مقابلوں پر آئیں تو جارح ہونے کے باوجود اسلام کی روحانی قوت، مسلمانوں کے خدا پر یقین اور اپنے مقصد کی سچائی پر مکمل ایمان کے سامنے وہ خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ اور خدا پر اسی ایمان کی بدولت مسلمانوں کو یہ توفیق ملی کہ صلیبی جنگوں میں انہوں نے یورپ کے حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خدا پر ایمان آج بھی مسلمانوں کو عیسائیت کے مقابلہ میں دنیا میں فوقیت حاصل کرنے کے قابل بنائے گا۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں تمام مادی طاقتیں یعنی دولت، حکومت اور تنظیم عیسائیوں کے پاس ہیں۔

اسلام میں نماز کے ذریعے دعا کی تعلیم جو مسلمانوں کا خدا سے روحانی رابطہ قائم رکھتی ہے بلاشبہ خدا پر مضبوط ایمان کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں کے قومی کردار کی تعمیر میں نماز کے ذریعہ جو نیک رویہ پیدا ہوتا ہے اس کی قدر و قیمت کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ ہر مسلمان پانچ وقت نماز کے دوران اپنے آپ کو خدا کے حضور حاضر سمجھتا ہے اس لئے خدا پر ایمان اس کے ذہن پر اپنا اثر قائم رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ مادی دنیا کے متعلق اس کے نکتہ نظر پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اس طرح نماز اس کی زندگی میں ایک زندہ قوت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اسلام یورپ کو دو اخلاقی قوتیں یعنی خدا پر زندہ ایمان اور ایسا نظام جس کی بنیاد وحدت نسل انسانی پر ہو مہیا کر سکتا ہے۔ اور یہی دو قوتیں اس کو امن سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ اور جب تک یورپی معاشرہ اسلام سے یہ دو روحانی تحفے لینے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اس بربادی سے بچ نہیں سکتا۔ یورپ کو چاہئے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اپنی بیماری کی تشخیص کرے اور دل کو مضبوط کرکے اس علاج کو آزمائے۔ اسے اپنی گزشتہ غلطیوں کو دوہرانا نہیں چاہئے اور اپنے حقیقی دوست کو دشمن نہیں سمجھنا چاہئے۔ یورپ نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ صلیبی جنگوں میں تباہ کرنا چاہا۔ لیکن ناکام رہا۔ مخالفت اب ایک اور نازک صورت اختیار کر چکی ہے۔ یورپی سپاہی یہ غلط خیال اپنے ذہن میں لے کر گھر لوٹتا ہے کہ اسلام یورپ کا خطرناک دشمن ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ اب تک مسلمان سے اس کا سابقہ میدان جنگ میں ہوا۔ اور پھر یہ خیال اسے ورثہ میں باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا چلا گیا۔ یورپ کے سپاہی اور مذہبی لیڈروں نے جو پراپیگنڈا میں بڑے ماہر تھے اس نفرت میں اضافہ کیا اور اسلام کی ایسی تصویر کھینچی جو حقیقت کے بالکل برعکس تھی۔ اسلام لفظ کے صحیح ترین معنوں کے لحاظ سے تمام دنیا میں امن کا علمبردار ہے۔ مذاہب عالم میں اسلام سب سے زیادہ رواداری کا سبق دیتا ہے۔ جس کی دنیا میں تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کو غلط طور پر انتہائی متشدد اور غیر روادار مذہب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اسلام نے واضح الفاظ میں نہ صرف دنیا کے تمام دیگر مذاہب کے متعلق اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ شروع میں سب خدا کی طرف سے تھے۔ اور یہ کہ دنیا میں کوئی بھی ایسی قوم نہیں گزری جس کی طرف کوئی ڈرانے والا یا راہ نمانہ آیا ہو تاکہ لوگوں کو خدا کے قریب لانے کی کوشش کی جائے۔ "اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے" (۳۵:۲۴) "ہر ایک قوم کے لئے ایک رسول ہے" (۱۰:۴۷) "ہر ایک قوم کے لئے راہ دکھانے والا ہے" (۱۳:۷) بلکہ اسلام اس سے بھی آگے جاتا ہے

کہ ہر اس شخص کے لئے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ تمام دیگر قوموں کے پیغمبروں پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح وہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لاتا ہے۔ "جو اس پر ایمان لائے جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا (۲:۴) لیکن یورپ کے سیاسی اور مذہبی لیڈروں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں تلوار ہے اور دوسرے ہاتھ میں قرآن مجید۔ اور باوجود اس کے کہ ان غلط اور بے بنیاد الزامات کے متعلق موجودہ دور میں کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن پھر بھی یورپی مصنفین اب بھی اسلام کو "تلوار کا مذہب" کے طور پر پیش کرتے ہیں: "اسلحہ کے ذریعہ اسلام کو پھیلانا عام مسلمانوں کے لئے مذہبی فریضہ ہے" ڈی بی میکڈانلڈ "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" (مضمون جہاد)"۔ اس نہایت افسوس ناک غلط فہمی کی وجہ سے یورپ ایک طرف اسلام کو سیاسی طور پر کمزور کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف مذہبی میدان میں اس کے خلاف جھوٹا اور زہر آلود پراپیگنڈا کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اگر کسی بات پر تمام یورپ متفق ہے تو یہ کہ اسلام یورپ کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کو ہر جائز و ناجائز طریق سے کمزور یا تباہ کیا جائے۔ سیاستدان یا مذہبی مبلغ خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اس معاملے میں مل کر کام کررہے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی حکمت میں کچھ اور ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اسلام انسانیت کے لئے رحمت ہے۔ اس لئے اس سے ایسا سلوک روا نہ رکھنا چاہئے۔ یورپی اقوام جن میں کبھی بھی حقیقی معنوں میں باہمی ہم آہنگی موجود نہ تھی وہ ایک دوسرے سے حسد کرنے لگے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ یہی رویہ 'دشمنی اور نفرت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی خواہش نے اسلام کو تباہ کرنے کی راہ اختیار کرلی ہے۔ عیسائی دنیا نے اپنے حقیقی دوست کو تباہ کرنے کے راستے کو اختیار کیا ہے۔ اور نتیجۃ سزا کے طور اللہ تعالیٰ نے ان کے باہمی دوستانہ تعلقات کو تباہ کردیا ہے اور ان اور وہ ایک دوسرے کو تباہ کرنے کے درپے ہوگئے ہیں یہ خدا تعالیٰ کے اس منصوبے کے مطابق تھا جس کا تیرہ سو سال پہلے اعلان کیا گیا تھا:

"اور ان سے جو کہتے ہیں ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے عہد لیا۔ مگر وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے جو انہیں نصیحت کی گئی تھی۔ سو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ ان کو اس کی خبر دے گا جو وہ کرتے تھے"۔

"اے اہل کتابؑ ہمارا رسول تمہارے پاس آچکا ہے وہ بہت کچھ اس میں سے کھول کر بیان کرتا ہے جو تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتیں سے درگزر کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے....

"اس کے ساتھ اللہ اس کو جو اس کی رضا کی پیروی کرے سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے۔ اور اپنے حکم سے ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔ اور ان کو سیدھے راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے"...

"اے اہل کتاب یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے وہ رسولوں کے بند ہو جانے پر تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم نہ کہو کہ تمہارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا نہیں آیا اور کوئی ڈرانے والا سو تمہارے پاس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے" (القرآن ۵:۱۷-۱۹)۔

تبصرہ: قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت (۱۲)

بشارت احمد بقا

ڈاکٹر ایم اے غازی صاحب کی نظر میں جماعت احمدیہ لاہور کی حیثیت — ۲

مولوی ظہورالدین اکمل صاحب کی نظم پر ان کا اپنا بیان

غازی صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ اپنے مرشد حضرت مرزا صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نعوذباللہ افضل سمجھتے تھے۔ مولوی ظہورالدین اکمل کی ایک نظم کے دو شعر نقل کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

محمد اتر آئے ہیں اب ہم میں
اور پہلے سے بڑھ کر ہیں وہ اپنی شان میں
محمد دیکھنا ہو جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

اور پھر اخبار الفضل، قادیان مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۴۴ میں مولوی ظہور الدین اکمل صاحب سے منسوب مضمون کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ جس میں بیان کیا گیا تھا کہ یہ شعر اس نظم کا حصہ ہیں جو حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں پڑھی گئی اور جو پھر کتابت کرا کے حضور کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ اسے اپنے گھر لے گئے۔ اس وقت اس نظم پر کسی نے اعتراض نہ کیا تھا۔ مولوی محمد علی اور ان کے رفقاء بھی موجود تھے اور جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے وہ یقیناً اس کو سن رہے تھے۔ وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں یہ نظم "بدر" میں چھپی تھی۔ "بدر" کی اس زمانہ میں وہی حیثیت تھی جو آج "الفضل" کی ہے۔ ان کے مفتی صادق ایڈیٹر بدر سے بہت اچھے مراسم تھے۔ وہ خدا کے فضل سے ابھی زندہ موجود ہیں وہ ان سے دریافت کر سکتے ہیں اور وہ بتائیں کہ ان میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض کیا تھا۔

غازی صاحب نتیجتاً لکھتے ہیں کہ یہ ہے اصل نقشہ اس کا جسے احمدی ظلی نبوت کہتے ہیں۔ میں جواباً عرض کرتا ہوں کہ اگر اکمل صاحب نے اس نظم میں واقعی یہ خیال پیش کیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی ذات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آپ کے اصل اور اول ظہور سے افضل ہے۔ اور تمام احمدی بھی یہی نکتہ نظر رکھتے تھے تو پھر غازی صاحب کا اعتراض واقعی برمحل اور سو فیصدی درست ہے۔ اور احمدیہ جماعت کی جتنی مذمت کی جائے وہ بالکل واجب اور جائز ہے۔ مگر میں نے احمدیہ لٹریچر کی کافی چھان بین کی ہے میں نے خود احمدی ماحول میں آنکھ کھولی اسی ماحول میں جوان ہوا اور اسی میں بڑھاپے کے دن گزار رہا ہوں۔ نہ میں نے اس گستاخانہ نظریہ کا ذکر لٹریچر میں کسی جگہ دیکھا ہے اور نہ ہی کسی بزرگ کی زبان سے سنا ہے۔ بلکہ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ مرزا بشیرالدین محمود صاحب نے بڑی تعلی ماری تھی اور کہا تھا:

"اگر محمد صلعم سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے خدا نے اس دروازہ کو بند نہیں کیا" (الفضل ۱۶ جون ۱۹۴۴)

اس پر حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ نے وہ گرفت کی۔ کہ مرزا محمود احمد صاحب کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور پھر یہ کہہ کر اپنی گلوخلاصی کرائی کہ کسی ماں نے ایسا بچہ جنا ہی نہیں اور نہ ہی جنے گی کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ سکے۔ اخبار الفضل مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۴۴ء میں چھپے ہوئے ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

اب میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر فی الواقعہ بقول ظہور الدین اکمل مولانا محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء بھی حضرت مرزا صاحب کو آنحضرت صلعم سے افضل سمجھتے تھے۔ تو خلیفہ قادیان مرزا محمود احمد صاحب کے پاس تو بڑا آسان جواب موجود تھا۔ وہ مولانا کے اعتراض کے جواب میں اکمل صاحب کی نظم کا فوراً حوالہ دے کر انہیں ساکت و صامت کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہ خود ایسا کیا اور نہ ہی ان کے کسی عالم نے بطور دلیل اکمل صاحب کی نظم پیش کی۔ اس صورت حال سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ احمدیہ جماعت کے دونوں فریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت مرزا صاحب کی کسی ایک فضیلت کے بھی قائل نہ تھے۔ کیونکہ جب

حضرت اقدس کا اپنا ایمان یہ تھا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کر کے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اس کو چھوڑ کر نجات نہیں مل سکتی جو اس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس امت کے لئے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے اور یہ دروازہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۶)۔ اور مزید فرمایا:

"میں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس قدر عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا...... ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے" (حقیقتہ الوحی ص ۱۱۵)۔

اور اپنی کتاب "تریاق القلوب" میں یہ دعوت دی:

"اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی صرف وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلعم ہے۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں سے انعامات پاتے ہیں" (ص ۷)

اور جب جماعت کے سامنے آپ کا اقرار موجود تھا:

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح زمان ہے

پھر وہ اپنے امام کو فخر اولین و آخرین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر افضل قرار دینے کی بہت بڑی گستاخی اپنے سر پر کیونکر لے سکتی تھی۔ محترم غازی صاحب حضرت مرزا صاحب نے اپنی ایک کتاب "انوار الاسلام" کے سرورق پر کسی بزرگ کا یہ شعر لکھ کر آنحضرت صلعم کے حضور اپنی یہ حیثیت متعین کی تھی:

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسر اوست

اب میں اکمل صاحب کی نظم کو لیتا ہوں۔ یہ بالکل درست ہے کہ اکمل صاحب کی پوری نظم "بدر" قادیان میں ضرور چھپی تھی۔ مگر اس پر ایڈیٹر صاحب کے اپنے کوئی ریمارکس نہیں تھے۔ اور نہ ہی یہ ذکر تھا کہ اکمل صاحب نے یہ نظم حضرت مرزا صاحب کے روبرو اور حاضرین مجلس کی موجودگی میں پڑھی تھی۔ اور پھر اس کی کتابت شدہ نقل حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ کہانی ساری بناوٹی ہے جو اگست ۱۹۴۴ء میں اکمل صاحب سے منسوب کر کے لکھی گئی تھی۔ یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمر ارزل میں ہونے کے باعث ان کی یادداشت درست نہ رہی تھی۔ انہوں نے یہ کہانی لکھ ڈالی جسے ایڈیٹر "الفضل" نے پوری بے احتیاطی برت کر فوراً اخبار میں چھاپ دیا اور اس سے جماعت کو پہنچنے والے نقصانات کا قطعاً احساس نہ کیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ نظم نہ کسی مجلس میں پڑھی گئی اور نہ ہی اس کی کتابت شدہ نقل حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی۔ پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ۲۲ اگست ۱۹۴۴ کو تو یہ کہانی "الفضل" میں چھپی تھی۔ مگر ۱۳ اگست ۱۹۴۴ کے "الفضل" میں اکمل صاحب کا جو مضمون چھپا تھا اس میں موصوف نے واضح طور پر لکھا تھا کہ ان کا مقصد ہرگز وہ نہیں جو ان کی طرف ان الفاظ کی وجہ سے منسوب کیا جاتا ہے (یعنی محمد اتر آئے ہیں اب ہم میں اور پہلے سے بڑھ کر ہیں اپنی شان میں۔ ناقل) اور یہ بھی لکھا کہ "میں نے یہ دیکھ کر کہ انجان لوگوں کو غلط فہمی میں نہ ڈالا جائے ۱۹۰۶ کے بعد یہ شعر کسی اخبار یا رسالہ میں نہیں چھپوایا بلکہ نظم سے نکال دیا تاکہ کسی کو حرف گیری کا موقع نہ مل سکے۔ اس کا اعادہ ۳۸ سال سے میری طرف سے نہیں ہوا۔ کیونکہ جو معنی نکالے جاتے ہیں وہ ہرگز میرے عقیدے کے مطابق نہیں۔ نہ پہلے نہ پھر کبھی نہ اب' اس لئے میں اپنے مبائع بھائیوں سے کہتا ہوں کہ کم از کم وہ میری قسم پر اعتبار کریں۔"

اکمل صاحب مرحوم کے اس مضمون سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مذکورہ نظم کے مذکورہ اشعار سے مخالفین سلسلہ جن میں غازی صاحب

بھی پیش پیش ہیں۔ جو معنی اور مفہوم نکال کر بالعموم پبلک کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں وہ شاعر کی منشا کے بالکل خلاف ہیں۔ تاہم یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اکمل صاحب کی نظم کے ان اشعار کو اکثر احمدی احباب نے سخت ناپسند کیا تھا۔ اور ان کے احتجاج کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاعر نے ۱۹۱۱ میں جب اپنا دیوان شائع کیا۔ تو اس کے صفحہ ۵ پر یہ نظم چھپی مگر متنازعہ شعر اس میں سے نکال دیا تھا۔

اسی شعر کے بارے میں خلیفہ قادیان نے بھی یوں اظہار خیال کیا تھا:

"اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ درجہ میں بڑے ہیں (یعنی حضرت مرزا صاحب۔ ناقل) تو یقیناً کفر ہے لیکن اگر مراد یہ ہے کہ اس زمانہ میں اشاعت اسلام زیادہ ہوئی ہے تو یہ مطابق قرآن ہے۔ مگر ایسے لفظ پھر بھی ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں۔" (الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء)

میرے خیال میں محولہ بالا وضاحتوں کے بعد یہ معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کو اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ اور یہ جو غازی صاحب اکمل صاحب کی نظم کے حوالے سے ظلی نبوت کو حقیقی نبوت ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے نصیب میں ناکامی لکھی ہوئی ہے۔

کیا ڈاکٹر غازی صاحب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اس ارشاد پر غور فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے:

"انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم میں ہی ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں" (تحذیر الناس ص ۷ 'ناشر دار الاشاعت مقابل مسافر خانہ' کراچی نمبر ۱)

کیا اس میں انہیں کسی گستاخی یا کفر کی بو نہیں آتی۔

غازی صاحب عام آدمی کی بات کرتے ہیں کہ وہ بھی جانتا ہے کہ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت کے اس مضبوط عقیدہ کے باوجود غازی صاحب کی علیت کے لوگ بھی ایک مستقل نبی کی آمد کے منتظر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا اس اسرائیلی نبی کی آمد سے ختم نبوت کی عمارت سلامت رہے گی۔ اگر آپ واقعی ختم نبوت کے صحیح معنوں میں قائل ہیں تو پھر وہ دروازہ جو آپ نے حضرت مسیح ابن مریم کی آمد ثانی کے لئے کھلا رکھا ہوا ہے فوراً بند کیجئے۔ اور انہیں جو گذشتہ دو ہزار سال سے بجسد عنصری آسماں پر بٹھا رکھا ہے اس عقیدہ سے رجوع کیجئے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے نقش قدم پر چل کر اعلان کیجئے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی پرانا نبی آ سکتا ہے اور نہ کوئی نیا۔ اور یہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ جس شخص کے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔ اس کی ظلی نبوت کے دعویٰ سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس قسم کی نبوت اسلام کی ابدی زندگی کا جیتا جاگتا نشان ہوتی ہے اور اس نبوت کو ہوا بنا کر عوام الناس کو بدظن اور گمراہ کرنا بند کر دیں۔

لاہوری جماعت کی اختیار کردہ بعض اصطلاحات

اس عنوان کے تحت غازی صاحب لکھتے ہیں:

"اپنے ظلی نبوت کے عقیدہ کو ختم نبوت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ان لوگوں نے بعض اصطلاحات گھڑ لی ہیں جنہیں یہ بالعموم استعمال کرتے رہتے ہیں۔ یہ اصطلاحات جزوی نبی' لغت کی رو سے نبی' مجازی معنوں میں نبی' محدث اور خدا سے بکثرت مکالمہ کہلاتی ہیں۔ اب آیئے ان کا کچھ تفصیل سے تجزیہ کرتے ہیں۔"

اب غازی صاحب نے جو تجزیہ کیا ہے تو اس کا نتیجہ وہی نکلا جو بے مقصد پہاڑ کو کھودنے والے کو ملتا ہے۔ غازی صاحب آپ نے "النبوت فی الاسلام" ہی کچھ غور سے پڑھ لی ہوتی۔ تو آپ کو اتنا سر کھپانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ہم نے کب کہا ہے کہ مبشرات جو اصل نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں ان کے پانے سے کوئی شخص مکمل (Full fledged) نبی ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے بھی مبشرات کو کبھی حقیقی نبوت قرار نہیں دیا۔ آپ کیوں نہیں اس نکتہ پر غور کرتے کہ حضرت مرزا صاحب نے عمر بھر کبھی وحی نبوت پانے کا دعویٰ نہیں کیا اور جس قدر انبیاء ہو گزرے ہیں ان کی نبوت کی بنیاد ہی وحی نبوت پر تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لم یبق من النبوۃ الا المبشرات تو ہم مبشرات کو لازماً نبوت کی ایک جز ہی کہیں گے۔ لیکن کسی عقلمند کے نزدیک جزو کل نہیں بن سکتی۔ بلکہ تمام اجزا کے ملنے سے بنتی ہے۔ اس لئے مبشرات کو جزوی نبوت کہہ دیا جائے تو کیا اندھیر مچ جاتا ہے مگر غازی صاحب کی طرح تنگ نظر عالموں کے تمام شبہات رفع کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے تحریراً یہ اعلان کیا تھا:

"تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام و توضیح مرام و ازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنوں میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہے یا یہ کہ

محدثیت نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعوی نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ میں کتاب ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۳۷ میں لکھ چکا ہوں۔ میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان لفظوں سے ناراض ہیں اور ان کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں۔ جس حالت میں ابتدا سے میری نیت میں جس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ خوب جانتا ہے اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں بلکہ صرف محدث مراد ہے۔ جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متکلم مراد لئے ہیں..... تو پھر مجھے اپنے تمام مسلمان بھائیوں کی دلجوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔"

(راقم خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی مولف رسالہ توضیح مرام ازالہ اوہام ۳ فروری ۱۸۹۲ء محمدی پریس لاہور۔)

غازی صاحب! آیئے آپ نے جتنے نکات عنوان بالا کے تحت اٹھائے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کے اس تحریری اعلان میں ان سب کا کافی اور شافی جواب آ گیا ہے۔ اور اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر جزوی نبوت 'لغوی نبوت' نبوت ناقصہ اور مجازی نبوت کا مصداق محدث کو کیوں قرار دیتے ہیں۔ یہ جملہ اقسام نبوت صرف ایک محدث میں پائی جاتی ہیں۔ مگر جو اصل نبی ہوتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ' یحییٰؑ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔

جو لوگ ختم نبوت سے مراد یہ لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا اور بندے کے درمیان کوئی رابطہ نہیں رہا۔ اور خدا کی صفت تکلم نعوذ باللہ معطل ہو چکی ہے اور تمام متلاشیان حق اب صرف اندھیرے میں ٹکریں مار مار کے بیکار اپنے سر پھوڑ رہے ہیں۔ ان لوگوں کے اس باطل عقیدہ کو پاش پاش کرنے کی خاطر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کو جس کا دوسرا نام مبشرات ہے 'لغوی یا مجازی نبوت کا نام دیا گیا ہے مگر اس کے لئے آپ ہمارے بزرگوں کو کیوں مورد الزام ٹھہراتے ہیں آپ کیوں اپنے مسلمہ بزرگان دین کا محاسبہ نہیں کرتے جو اس قسم کی نبوت کو امت میں جاری و ساری مانتے ہیں۔

آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ لاہوری جزوی نبوت سے نبوت کا ایک حصہ مراد نہیں لیتے بلکہ اسے الگ ایک قسم کی نبوت قرار دیتے ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کی نبوتوں سے افضل تر ہے یہ ایک بہتان عظیم ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب نے "النبوت فی الاسلام" میں نبوت کے موضوع پر جس قدر گفتگو کی ہے اس میں ان کا روئے سخن مرزا بشیر الدین محمود احمد مصنف کتاب "حقیقت النبوۃ" کی طرف تھا۔ لغوی' جزوی' ظلی' بروزی اور مجازی نبوت پر جس قدر بحث کی ہے وہ اس شخص کے تصورات کو پیش نظر رکھ کر کی ہے۔ آپ اس کتاب کا پہلا باب کھول کر پڑھیں اس میں آپ کو یہ لکھا ہوا صاف دکھائی دے گا کہ بذریعہ اکتساب کمال حاصل کرنے والا نبی نہیں کہلا سکتا۔ اور یہ کہ نبوت موہبت ہے اکتساب سے حاصل نہیں ہوتی مگر اس کے برعکس حضرت مرزا صاحب نے جو کمال حاصل کیا وہ بذریعہ اکتساب کیا۔ لہٰذا وہ نبی نہیں بلکہ محدث تھے جو اپنے نبی متبوع کی پیروی سے اکتساب کمال کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیست در کان محمد
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمد ہست برہان محمد
دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستان محمد
کرامت گرچہ بے نام و نشاں است
بیا بنگر ز غلمان محمد

جو دماغ ظل' بروز اور مجاز کو اصل قرار دے اس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ ہم تو صرف ان افراد کو اپنے دلائل سے قائل کر سکتے ہیں جو اصل اور ظل کی تمیز رکھتے ہوں۔ اگر غازی صاحب کے نزدیک نبوت کے لغوی اور اصطلاحی معنے ایک ہی ہیں تو چشم ماروشن دل ماشاد۔ آپ بزرگان دین کے اقوال سے اپنے اس خیال کو موید کیجئے اور یہ بھی بتا دیجئے کہ مولانا روم نے جو وقت کے پیر کامل کو کہا تھا۔

او نبی وقت باشد اے مرید
تا ازو نور نبی آید پدید
مکر کن درکار نیکو خدمتے
تا نبوت یابی اندر امتے

کیا اس سے ان کی مراد وہی نبوت تھی جو انبیاء علیہم السلام کو ملتی تھی یا وہ نہ تھی۔ تو اگر وہ نبوت اصطلاح اسلام کی تعریف کے تحت نہیں آتی تو پھر انصافاً بتائیے کہ آپ اس نبوت کا کیا نام رکھیں گے۔ کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ نبوت کے لغوی معنی اپنی جگہ بدستور قائم ہیں۔ ان کی جگہ اسلامی اصطلاح کے معنوں نے ہرگز نہیں لی۔ لہٰذا یہ بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ مصنف جس خیال یا مسلک کا قائل ہی نہیں آپ توڑ مروڑ کر اس کے سر پر وہ تھوپ دیں۔

نبی لغوی معنوں کے لحاظ سے

غازی صاحب فرماتے ہیں کہ لاہوری جماعت نے دوسری اصطلاح یہ اختیار کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب لغوی معنوں میں نبی ہیں۔ اور کہتی ہے کہ نبی کے لغوی معنے سے مراد ایسا شخص ہے جس کو کچھ غیب کی خبریں ملتی ہیں لیکن اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ دینی اصطلاح میں نبی ہو۔ چونکہ مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں ملتی تھیں اس لیے آپ نے لغوی معنی کی رو سے لفظ نبی استعمال کیا مگر اس سے حقیقی نبوت کا دعویٰ مراد نہیں۔ اس سلسلہ میں غازی صاحب نے ریویو آف ریلیجنز جلد نمبر۵ سے پھر ایک اقتباس پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ مولانا صاحب' حضرت مرزا صاحب کی نبوت کا حقیقی انبیاء کی نبوت سے موازنہ کیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آپ کو دوسرے انبیاء کی طرح کا ہی فرد جانتے تھے۔ یہ غلط فہمی محدث کے مقام کو نہ سمجھنے کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ محدث انبیاء کی طرح مبعوث ہوتے ہیں اور انبیاء کی طرح با آواز بلند اپنی ماموریت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور اس مقام عالی کو پہنچے ہوتے ہیں کہ اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو وہ ضرور نبی ہو جاتے۔ اس لئے صدق اور کذب جانچنے کا معیار دونوں کے لئے ایک ہے۔ اور محدثین بھی مخلوق خدا کی ہدایت' رہبری اور تزکیہ نفس اسی انداز سے کرتے ہیں جو انبیاء کا شیوہ ہوتا ہے اس لئے وہ آپس میں مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اعلائے کلمۃ الحق اور خدمت دینی کے لحاظ سے ان کا ایک دوسرے سے موازنہ کرنا کسی طرح ناروا نہیں ہے۔ انصاف یہ تقاضہ کرتا ہے کہ جس معیار سے ایک نبی اور رسول کو اپنے دعووں میں برحق تسلیم کرنے پر ہم مجبور ہوتے ہیں وہی معیار ہر اس شخص کی پرکھ کے لئے ایک بنیادی اصول بن جاتا ہے۔ جو ماموریت کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے اسی نوعیت اور اہمیت کے کارنامے کر دکھائے تھے اور اپنے جملہ مخالفین پر اسی طرح نمایاں فتوحات پائی تھیں جن سے انبیاء کی زندگی عبارت تھی۔ کیا یہ ایک مسلمہ حقیقت نہیں ہے کہ اسلام ایک خزاں دیدہ چمن کی مانند اجڑا ہوا تھا۔ اور حضرت مرزا صاحب کی مساعی جمیلہ سے اس میں بہار جانفزا پیدا ہو گئی تھی۔ ایک طرف اسلام کے دشمنوں کو دلائل عقلی و نقلی سے ساکت و صامت کر دیا تو دوسری طرف لاتعداد نشانات سماوی و ارضی سے ان پر حجت تمام کر دی۔ اور ان کے تمام ناپاک منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ غازی صاحب کو اس اعتراض کی بجائے چاہیے تھا کہ ایسے حقائق اور شواہد اپنے قارئین کے سامنے رکھتے جن کی رو سے حضرت مرزا صاحب انبیاء کے معیار صداقت پر پورا نہ اترتے دکھائی دیتے۔ حضرت مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ

لوائے ما پناہ ہر سعید خواہد بود
کہ ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

اگر غازی صاحب اس اعلان کو واقعاتی شہادتوں سے جھوٹ ثابت کر دکھائیں۔ تو ہم جانیں مگر ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کو جو غیرت اپنے انبیاء کے لئے ہوتی ہے وہی غیرت اپنے محدثین کے لئے بھی ہوتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ خدا انبیاء کی حفاظت کے لئے اپنے فرشتے زمین پر بھیج دے مگر محدثین کرام کو ان کی گردنیں توڑنے کے لئے عوام کالانعام اور دنیادار دین کے ٹھیکیداروں کے حوالے کر دے۔

لفظ نبی پر لغات عربی کے حوالہ سے غازی صاحب نے اس کے مختلف معنے بیان کئے ہیں اور پھر ابن ابی شریف کے حوالہ سے اس کے اصطلاحی معنے بھی لکھے ہیں اور پھر نتیجتاً لکھا ہے

(الف) اصطلاحی معنوں کی رو سے نبی کا مبعوث ہونا ضروری ہے۔ لیکن لغوی معنوں میں نبی کا مبعوث ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اللہ سے غیب کی کچھ خبریں پا کر اپنی مرضی سے ظاہر کر دے اور یہ ضروری نہیں کہ اللہ نے اس کو اس غرض کے لئے بھیجا ہو۔

(ب) اصطلاحی معنوں کا نبی اللہ کی طرف سے مکلف ہوتا ہے کہ اپنی وحی لوگوں کو پہنچائے لیکن لغوی معنوں میں ایسا کرنا ضروری نہیں۔

ان دو باتوں کے بعد جو کچھ غازی صاحب نے لکھا ہے وہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جانا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"اب اگر ایک شخص جو نہ خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور نہ ہی وحی ربانی دوسرے لوگوں کو پہنچانے کے لئے مکلف کیا گیا ہے اس کو نبی لغوی معنوں کی رو سے اس وقت تک کہا جا سکتا تھا جب تک کے نبی کے اصطلاحی معنے وضع نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب اس کو اصطلاحی معنے دیئے

جا چکے ہیں اب اس کو انہی اصطلاحی معنوں میں محدود کرنا پڑے گا اور کسی شخص کو ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اس کو اپنے لئے لغوی معنوں میں استعمال کرے۔"

احباب نے ملاحظہ فرمایا۔ غازی صاحب نے کیسی عالمانہ شان اس نکتہ آفرینی میں دکھائی ہے۔ جس سے کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ ہم تو اب تک یہی پڑھتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی تھی اور وہ وحی نبوت تھی۔ اور اسلام کے اصطلاحی معنوں میں وہی پہلے نبی تھے۔ اس زمانہ میں عربی زبان کی لغت بھی تیار نہ ہوئی تھی۔ اگر یہ بات درست ہے کہ نبی کے اصطلاحی معنے متعین ہو جانے کے بعد اس کے لغوی معنی متروک ہو چکے ہیں تو پھر لغت عربی میں لغوی معنے کیوں بیان شدہ موجود ہیں۔ یا کیا لغت نویسوں نے لغوی معنے بیان کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ یہ معنے متروک الاستعمال ہیں کیونکہ ان کی جگہ اصطلاحی معنوں نے لے لی ہے۔ غازی صاحب براہ خدا عوام کو بیوقوف نہ بنائیں۔ نبی کے اصطلاحی معنے تو اس دن سے وضع شدہ موجود ہیں جس دن سے نبوت کا سلسلہ اولاد آدم کی ہدایت کے لئے شروع ہوا ہے۔ اور زبان عربی کی لغت تو چند صدیوں کی بات ہے جس میں اس لفظ کے اصطلاحی معنوں کی موجودگی میں لغوی معنے بیان کئے گئے ہیں۔ اسی طرح لفظ رسول کے بھی لغوی اور اصطلاحی معنے ہر لغت عربی میں موجود ہیں۔ پھر آپ نے کہاں سے یہ اپچ نکال لی ہے کہ اصطلاحی معنے متعین ہو جانے کے بعد لغوی معنے غیر مستعمل ہو گئے ہیں۔ لغات نویس بڑے پایہ کے عالم لوگ تھے ان کے ہی دیئے ہوئے علم سے آپ کا دیا جل رہا ہے۔ اولیاء امت میں ہی ایسے باکمال افراد پیدا ہوئے ہیں جو لغوی معنوں میں نبی اور رسول تھے۔ انہی کے پاک وجود سے ہی گلستان اسلام کا حسن بہار قائم و برقرار ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر غازی صاحب کی نکتہ آفرینی مبنی بر حقیقت ہے کہ نبی کے اصطلاحی معنے متعین ہو جانے کے بعد لغوی معنے متروک ہو گئے ہیں تو پھر مولانا روم علیہ الرحمتہ نے پیر وقت کے متعلق یہ کیوں کہا ہے:

او نبی وقت باشد اے مرید
تا ازو نور نبی آید پدید

اور یہ کیوں کہا:

مکر کن در کار نیکو خدمتے
تا نبوت یابی اندر امتے

کیا وہ بھی اجرائے نبوت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ آپ کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ اس لئے آپ کو لا محالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بزرگان دین لغوی نبوت کے اس امت میں قائل ہیں اور جب لغوی نبوت جاری و ساری ہے تو پھر لغوی نبی کا وجود متحقق ہو جاتا ہے۔

تتمہ حقیقتہ الوحی میں اگر حضرت مرزا صاحب نے خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر لکھا ہے۔ کہ اسی خدا نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے مجھے نبی اور مسیح موعود کہا ہے۔ اور ان دعوؤں کے ثبوت میں بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اتنے نشان ظاہر فرمائے ہیں کہ ان کی تعداد تین لاکھ تک پہنچتی ہے تو اس اعلان میں تمام دنیا جہان کے مخالف علماء کو دعوت فکر دی گئی ہے۔

ان تمام علماء کو سورہ جمعہ کی آیت و آخرین منھم لما یلحقوا بھم پر بھی ٹھنڈے دماغ سے غور کرنی چاہیے۔ یہ بڑے خوف کا مقام ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اپنے دعوے پیش کرتا ہے۔ مگر علماء ہیں کہ بغیر گہری غور و فکر کے اسے کاذب اور مفتری قرار دیتے ہیں لیکن خدا کے مامور صادق نے اپنے جملہ دعوؤں کی تائید میں صرف نقلی و عقلی دلائل ہی نہیں دیئے بلکہ اپنے آقا اور مولا حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلتے ہوئے حق کے دشمنوں کو نام بنام دعوت مباہلہ دی ہے۔ مگر کوئی عالم دین کوئی پیر طریقت اور شیخ آپ کے مقابلے میں نکلنے کی جرات نہ کر سکا۔ مزید برآں آپ نے قرآن شریف سے سورۃ الحاقۃ کی آیات لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخزنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین فما منکم من احد عنه عاجزین کے حوالہ سے اپنے دعاوی پیش کئے۔ یہ جرأت مندانہ قدم صرف ایک صادق مامور من اللہ ہی اٹھا سکتا تھا۔ پہلے آپ نے نامور علماء اور مشائخ کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ کہ خدا تعالیٰ کی کھلی اور واضح گواہی سے ہم اسبات کا با آسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا میں خدا تعالیٰ کی طرف ہوں یا نہیں ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ میری صداقت کا کوئی مافوق العادت نشان دکھلا دے تو آپ حضرت ذوالجلال سے ڈر کر میری مخالفت چھوڑ دیں گے۔ اور میری بیعت کر لیں گے اگر اس طریق سے آپ لوگ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں تو دوسرا سہل طریق یہ ہے کہ آپ لوگ محض خدا تعالیٰ سے خوف کر کے اور اس امت محمدیہ پر رحم فرما کر بٹالہ یا امرتسر یا لاہور میں ایک جلسہ کریں اور اس جلسہ میں جہاں تک ممکن ہو معزز علماء اور دنیا دار جمع ہوں اور میں بھی اپنی جماعت کے ساتھ حاضر ہو جاؤں گا۔ تب وہ سب دعا کریں کہ یا الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ شخص مفتری ہے اور تیری طرف سے نہیں ہے اور نہ مسیح موعود ہے اور نہ مہدی ہے تو اس فتنہ کو مسلمانوں میں سے دور کر اور اس کے شر سے اسلام اور اہل

اسلام کو بچالے جس طرح تو نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو دنیا سے اٹھا کر مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالیا۔ اور اگر یہ تیری طرف سے ہے اور ہماری ہی عقلوں اور فہموں کا قصور ہے تو اے قادر ہمیں سمجھ عطا فرما تا ہم ہلاک نہ ہو جائیں اور اس کی تائید میں کوئی ایسے امور اور نشان ظاہر فرما کہ ہماری طبیعتیں قبول کر جائیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ اور جب یہ دعا ہو چکے تو میں اور میری جماعت بلند آواز سے آمین کہیں۔ اور پھر اس کے بعد میں دعا کروں گا اور اس وقت میرے ہاتھ میں وہ تمام الہامات ہوں گے جو ابھی لکھے گئے ہیں اور جو کسی قدر ذیل میں لکھے جائیں گے غرض یہی رسالہ مطبوعہ جس میں تمام یہ الہامات ہیں ہاتھ میں ہو گا۔ اور دعا کا یہ مضمون ہو گا:

یا الٰہی اگر یہ الہامات جو اس رسالہ میں درج ہیں جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے جن کی رو سے میں اپنے تئیں مسیح موعود اور مہدی معہود سمجھتا ہوں اور حضرت مسیح کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں تیرا کلام نہیں ہے اور میں تیرے نزدیک کاذب اور مفتری اور دجال ہوں جس نے امت محمدیہ میں فتنہ ڈالا ہے اور تیرا غضب میرے پر ہے تو میں تیری جناب میں تضرع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال اور اگر میں تیری طرف سے ہوں اور یہ الہامات جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں تیری طرف سے ہیں اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں تو اے قادر کریم اسی آئندہ سال میں میری جماعت کو ایک فوق العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل فرما اور جب یہ دعا ہو چکے تو تمام مخالف جو حاضرین ہوں آمین کہیں۔ (اربعین حصہ دوم ستمبر ۱۹۰۰ء)

اس طریق دعا سے عذاب الٰہی صرف حضرت مرزا صاحب کے لئے تھا۔ مباہلہ کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کے لئے عذاب الٰہی اور لعنت طلب کرتے ہیں۔ مگر یہاں عذاب الٰہی کی دعا حضرت مرزا صاحب نے صرف اپنے لئے کی تھی اگر اس دعا کے نتیجہ میں حضرت مرزا صاحب ایک سال کے اندر عذاب الٰہی اور بلیات آسمانی اور زمینی سے بالکل محفوظ رہتے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم کے مورد ہو جاتے اور اگر آپ کی جماعت کو فوق العادت ترقی حاصل ہوتی تو اس سے علماء اور مشائخ کی ذات کو کون سا نقصان پہنچتا تھا۔ اگر وہ حضرت اقدس کی مخالفت میں مخلص ہوتے اور محبت الٰہی ان کا مقصود حیات ہوتا۔ تو یقینی بات تھی کہ مسیح موعود اور مہدی معہود کا دعویٰ کرنے والے کی تصدیق اور تائید میں فوق العادت نشانات سماوی و ارضی مشاہدہ کر کے وہ فوراً توبۃ النصوح کرتے اور مخالفت چھوڑ کر آپ کے دست و بازو بن جاتے۔ مگر حق بات یہ ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں اس قدر بغض اور عناد پیدا ہو چکا ہوا تھا تو حق و باطل میں فیصلہ کے اس آسان ترین طریق کو بھی وہ قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

جب یہ اتمام حجت بھی بے سود نکلا اور علماء بدستور اپنی مخالفت پر ڈٹے رہے تو حضرت مرزا صاحب نے سورہ الحاقہ کی ان آیات کی طرف علماء کی توجہ مبذول کرائی۔ جو اوپر درج ہو چکی ہیں اور جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر یہ پیغمبر یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلعم ہماری طرف کوئی کلام منسوب کرتا جو ہم نے نازل نہیں کیا۔ تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑتے اور اس کی رگ جان کو کاٹ ڈالتے اور کوئی تم میں سے اس کو نہ بچا سکتا۔ ان آیات ربانی سے آپ نے یہ استدلال فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ وحی کرنے کے بعد تئیس سال تک زندہ رہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص جو جھوٹا دعویٰ وحی و الہام کرتا ہے تئیس سال کی زندگی ہرگز نہیں پا سکتا۔ بلکہ بہت پہلے ہی خدا تعالیٰ اس کی رگ جان کاٹ ڈالتا ہے۔ دنیا میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی نے جھوٹا دعویٰ وحی و الہام اور مامور من اللہ کا کیا اور وہ تئیس سال تک زندہ رہا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے علماء کی توجہ دلائی کہ دیکھو اگر واقعی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا اور اپنے دعوؤں میں کاذب اور مفتری ہوتا۔ تو خدا تعالیٰ مجھے تئیس سالہ مہلت ہرگز عطا نہ کرتا۔ آپ نے حافظ محمد یوسف ضلعدار اور تمام ہندوستان اور پنجاب کے علماء اور مشائخ کو نام بنام ان الفاظ میں چیلنج دیا۔

"اگر یہ بات صحیح ہے کہ کوئی شخص نبی یا رسول اور مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کر کے اور کھلے طور پر خدا کے نام پر کلمات لوگوں کو سنا کر پھر باوجود مفتری ہونے کے برابر تئیس برس تک جو زمانہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے زندہ رہا ہے۔ تو میں ایسی نظیر پیش کرنے والے کو بعد اس کے جو مجھے میرے ثبوت کے موافق یا قرآن کے ثبوت کے موافق ثبوت دیدے پانسو روپے نقد دے دوں گا۔ اور اگر ایسے کئی لوگ ہوں تو ان کا اختیار ہو گا کہ وہ روپیہ باہم تقسیم کر لیں۔ اس اشتہار کے نکلنے کی تاریخ سے پندرہ روز تک ان کو مہلت ہے کہ وہ دنیا میں تلاش کر کے ایسی نظیر پیش کریں۔ (اربعین نمبر ۳ نمبر ۴ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء)

مگر حضرت اقدس کے اس چیلنج کے جواب میں کسی شخص نے ایسی نظیر پیش نہیں کی۔ اور نہ کوئی پیش کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں آپ نے

اپنی اسی کتاب میں لکھا تھا۔ کہ مشہور پادری فنڈر کے سامنے مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور مولانا سید آل حسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' اور ''استفسار'' میں انہی آیات قرآنی کو پیش کرکے دلیل دی تھی کہ ایسی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ چنانچہ فنڈر باوجود ماہر تاریخ ہونے کے کتب تاریخ کی ورق گردانی کرکے کوئی ایک مفتری علی اللہ پیش نہیں کرسکا جو افترا کرنے کے بعد تیئس برس زندہ رہا ہو۔

غازی صاحب کے لئے بھی یہ لمحہ فکریہ ہے کیونکہ وہ بھی عالم دین کہلاتے ہیں وہ بھی ان آیات قرآنی پر اچھی طرح غور کریں۔ جو قانون خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر کیا وہی قانون باقی لوگوں پر لاگو تھا۔ میرا یہ محکم ایمان ہے کہ کوئی مفتری علی اللہ الٰہی تلوار سے اپنی گردن نہیں بچا سکتا۔ اور نہ ہی چودہ سو برس کی تاریخ میں کسی مفتری کی نظیر ملتی ہے اور میرا اس پر بھی محکم ایمان ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب مفتری علی اللہ ہوتے اور ان کے تمام دعوے اور الہامات کذب اور افتراء پر مبنی ہوتے۔ تو دنیا کی تمام طاقتور قوموں کی حفاظت کے باوجود بھی وہ اپنے انجام بد سے کبھی محفوظ نہ رہتے۔ کیونکہ اسلام کا خدا بڑا ہی قادر و توانا خدا ہے۔ جس کی قہری طاقت کے آگے تمام انسانی طاقتیں ہیچ ہیں۔ اگر غازی صاحب انصاف پسند اور حق و صداقت کے لئے غیرت رکھتے ہیں۔ تو وہ خود ہی بتائیں کہ تمام ممکنہ طریقے حق و صداقت کو پہچاننے کے حضرت مرزا صاحب علماء اور مشائخ کے سامنے پیش کر چکے تھے۔ جن میں سے کوئی ایک طریق بھی انہوں نے منظور نہ کیا تو پھر ایسا کون سا طریق ان کے ذہن میں ہے جس سے حضرت اقدس کے صادق یا کاذب ہونے کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ طریق کہاں تک قرآن شریف اور ارشادات نبوی ؐ سے مطابقت رکھتا ہے۔ مگر میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ کسی مامور من اللہ کی صداقت کو پہچاننے کے لئے جو قرآن شریف نے اصول بیان کیا ہے اس سے بڑھ کر معقول اصول کوئی انسانی ذہن سوچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جباری اور قہاری طاقتوں کا کبھی مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ میرے نزدیک غازی صاحب نے زیر نظر کتاب لکھنے میں اپنی عمر عزیز کا بہت سارا وقت بالکل ضائع کر دیا ہے۔ انہیں قطع و تین کی آیات کو پیش نظر رکھ کر قلم اٹھانا چاہئے تھا۔ مگر ہم احمدی خدا کے فضل و کرم کے لاکھ لاکھ بار شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے امام صادق کی پہچان بخشی اور اس کے پاک مشن کو دامے درمے قدمے سخنے دنیا میں پھیلانے کے قابل بنایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

اگر یہ بات درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب لغوی، مجازی، ظلی اور بروزی نبوت کو واقعی حقیقی نبوت قرار دیتے تھے اور اپنے آپ کو گزشتہ انبیاء سے افضل سمجھتے تھے۔ تو یقیناً اس کی سزا جناب الٰہی سے ملنی ضروری تھی۔ خدا تعالیٰ آپ کی قطع و تین کرکے عبرتناک سزا دے سکتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مخالفین کی طرف سے یہ جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔ غازی صاحب نے بھی اپنی کتاب کو ایسے ہی جھوٹے الزامات سے سیاہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ خدائی تائید اور نصرت سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ آپ اب تک دین کی کوئی ٹھوس خدمت نہیں کر سکے۔ مگر دوسری طرف تحریک احمدیہ کو دیکھو۔ دنیا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی پشت پر کسی حکومت کی مالی امداد نہیں ہے۔ اس سے وابستہ افراد کی گاڑھے پسینے کی کمائی سے سارا کاروبار چل رہا ہے۔ اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے۔ آپ اس کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور برابر ایک صدی سے آپ کی مخالفت شد و مد سے جاری ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ تحریک زندہ و سلامت ہے اور آپ اس کی ترقی کی رفتار کو روک نہیں سکے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

و آخرین منھم لما یلحقوا بھم و ھو العزیز الحکیم پر گفتگو

ڈاکٹر غازی صاحب نے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ کی ایک تحریر پیش کی ہے جس سے اس خیال کا اظہار ہوتا ہے کہ مولانا صاحب نے سورۃ الجمعہ کی آیت متذکرہ عنوان بالا سے استدلال کیا ہے کہ جس طرح عرب کے امیوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات قرآنی پڑھیں اور ان کا تزکیہ کیا اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دی۔ اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ایک نبی ہوگا۔ جو اس امی قوم پر آیات قرآنی تلاوت کرے گا۔ ان کا تزکیہ کرے گا اور کتاب اور حکمت سکھائے گا۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے الذمخشری کی تفسیر کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب ؓ نے دریافت کیا کہ آخرین سے کیا مراد ہے۔ اس پر نبی صلعم نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر چلا جاتا تو فارسیوں میں سے ایک شخص اسے دوبارہ پیچھے لے آتا۔ اس کے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ ہی جن میں وہ فارسی نبی مبعوث ہوگا آخرین منھم قرار دیئے گئے ہیں اور مسیح، مہدی اور ابن فارس اسی ایک ہی مصلح کے نام ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد نے مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے نہایت مناسب وقت پر دعویٰ کیا ہے۔

غازی صاحب نے حضرت مولانا صاحب کی تحریر کا حوالہ نہیں دیا۔ حالانکہ یہ ان کا اخلاقی فرض تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے قارئین کو سورۃ الجمعہ کی اس آیت کی تفسیر جو ان کے نزدیک مسلمہ ہے بیان نہیں کی۔ میں افادہ عام کے لئے حضرت مولانا مرحوم کی تفسیر "بیان القرآن" سے اس آیت کریمہ کی تفسیر کر دیتا ہوں۔ ممکن ہے کہ انصاف پسند طبائع اس کی معقولیت سے نیک اثر قبول کریں۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

"اور بخاری میں پہلے قول کی تائید میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ پر سورہ جمعہ نازل ہوئی تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ و آخرین منھم میں کن کا ذکر ہے تو آپؐ نے تین دفعہ سوال دہرانے پر اپنا ہاتھ سلمان فارسی کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا پر ہوتا تو ان میں سے آدمی اس تک پہنچ جاتے یا ایک آدمی پہنچ جاتا۔ اور حدیث کا منشا یہ نہیں کہ آخرین منھم صرف فارسیوں میں سے ایک یا چند آدمی ہیں بلکہ یہ آخرین کی مدح کے طور پر فرمایا ہے کہ وہ دوسرے لوگ جنہوں نے براہ راست مجھ سے تعلیم نہیں پائی بلکہ وہ بعد میں آئیں گے اور میری تعلیم سے فائدہ اٹھائیں گے تو ان میں ایسے ایسے کامل الایمان لوگ بھی ہوں گے اور یوں آخرین منھم میں کل امت صحابہ کے بعد اول سے لے کر آخر تک شامل ہیں۔ گویا ایک تو نبی کریم صلعم کے صحابہ ہیں جن کی تعریف قرآن شریف میں بار بار آچکی اور ایک آخرین ہیں ان کی تعریف میں آنخضرت صلعم نے یہ لفظ فرمائے کہ ان میں بھی بڑے بڑے کامل الایمان لوگ ہوں گے اور یہ آیت نص صریح اس بات پر ہے کہ آنخضرت صلعم کے بعد دوسرا نبی نہیں آسکتا اور نہ ہی حضرت عیسیٰؑ آسکتے ہیں اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو پھر آخرین کے معلم نبی کریم صلعم نہ ہوں گے بلکہ وہ نبی ہو گا یا حضرت عیسیٰؑ ہوں گے کیونکہ نبی براہ راست اللہ تعالیٰ سے بوساطت جبرئیل تعلیم حاصل کرتا ہے وہ کسی نبی کا شاگرد نہیں ہوتا اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تو خود قرآن میں شہادت موجود ہے کہ انہوں نے تعلیم براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی آنخضرت صلعم سے نہیں کی و یعلمہ الکتاب و الحکمۃ و التوراۃ و الانجیل (آل عمران ۳:۴۷)
(تفسیری نوٹ نمبر ۳۳۴۸)۔

اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے صرف صحابہ کرام کا تزکیہ نفس کیا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور بعد میں آنے والی نسلیں اس براہ راست فیض روحانی سے محروم رہیں۔ پھر جوں جوں زمانہ نبوت میں بعد پیدا ہوتا گیا۔ مسلمانوں کے ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی گئی۔ جس کے باعث طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں جنم لیتی چلی گئیں۔ اور تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں تو ضعف ایمان انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اور ایسا دکھائی دینے لگا تھا کہ گویا مسلمانوں کے دلوں میں دین کی حس ہی ختم ہو گئی تھی۔ اگر ان کے اوپر سیاسی زوال آیا تھا اس کی بنیادی وجہ بھی ایمان کا فقدان تھا۔ اور باوجودیکہ امت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حدیث مجدد کے تحت متعدد بزرگ ہستیوں نے اسلامی دیار و امصار میں حق کی شمعیں روشن کیں مگر وہ انقلاب جو نبی صلعم نے عرب کی جاہل 'اکھڑ اور قدامت پسند قوم میں ایک ربع صدی سے کم وقت میں پیدا کر دیا تھا۔ اس کی گرد کو بھی ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ نہ پہنچیں۔ چودھویں صدی میں جس خدا نے یکے از غلامان رسول کو شمع حق روشن کرنے کے لئے کھڑا کر دیا۔ اور یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نبوت کے عین ہم رنگ تھا جس قسم کا سیاسی' اخلاقی' روحانی اور علمی زوال قوم یہود پر مستولی تھا۔ وہی زوال مسلمانوں پر چھایا ہوا تھا۔ تاہم بنی اسرائیل کے وجود کو کلی طور پر ختم کرنے کے لئے رومن حکومت نے کوئی منظم منصوبہ بندی نہ کی۔ جو انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے لئے کی تھی۔ یہود کامل طور پر رومنوں کی دینی یلغار سے محفوظ رہے۔ مگر انگریز نے سیاسی غلبہ حاصل کرتے ہی اپنی حکومت کا استحکام اور استقلال اس بات میں دیکھا کہ مسلمانوں کو دین و ایمان کی رہی سہی دولت سے بھی محروم کر دیا جائے۔ جب ہندی مسلمان عیسائیت قبول کر لیں گے۔ تو اس کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ پادریوں کی فوجیں سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں کی مانند سارے برصغیر ہند پہ چھا گئیں۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے پاؤں زمین سے اکھاڑ کے رکھ دیئے۔ غازی صاحب اس پر آشوب زمانہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ انہیں کسی کونے کھدرے سے کوئی شخص سوائے حضرت مرزا صاحب کے جنہیں وہ انگریزوں کا ایجنٹ لکھتے لکھتے نہیں تھکتے نہیں ملے گا۔ جس نے اسلام اور مسلمانوں کے اتنے خوفناک اور طاقتور دشمن سے ٹکر لی ہو۔ اور اس کے دجالی فتنہ سے مفلوک الحال اور بے سروسامان مسلمانوں کو نجات دلائی ہو۔ اور اس کے سارے طلسم کو دھوئیں کی طرح اڑا کے رکھ دیا ہو۔ یہ عظیم ترین کارنامہ اگر اس زمانہ کے علماء سرانجام دے سکتے تو وہ دن رات ہاتھ اٹھا اٹھا کر تضرع اور الحاح کے ساتھ رب العزت کے حضور میں دعائیں نہ کرتے کہ اے خدا اب تو امت محمدیہ پر حالت نزع طاری ہے۔ اس کو اپنی نظر کرم سے نواز اور اسے دوبارہ زندگی بخش دے۔ اور اس ہادی و رہنما کو جس کا انتظار کرتے کرتے ہماری آنکھیں تھک گئیں جلد ہماری رستگاری کے

لئے بھیج دے۔ پھر چشمِ فلک نے خوب دیکھا کہ جب وہ امام منتظر آ گیا تو دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ کیا آپ کو اس امام ربانی کی عظمت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے پتہ نہیں چلتا کہ جب وہ دنیا میں آئے تو برفانی پہاڑوں کو اپنے گھٹنوں اور کہنیوں کے بل عبور کر کے اس کو میرا اسلام کہنا۔

ہر صدی میں آنحضرت صلعم کے بروز آئے۔ مگر چودھویں صدی کا امام چودھویں رات کے چاند کی طرح آنحضرت صلعم کا بروز کامل تھا۔ اور اس معاملہ میں دو رائیں قائم نہیں ہو سکتیں۔ کہ آخرین منھم کو روحانی طور پر زندہ کرنا کسی معمولی صلاحیت کے انسان کے بس میں نہ تھا۔ اسلام کے اتنے خوفناک دشمن کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملانے والا کوئی فوق العادت روحانی طاقتوں کا ہی مالک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ تمام روحانی طاقتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو عطا کیں اور جس مقام پر آپ کو کھڑا کیا گیا اگرچہ وہ موہبت تھا۔ تاہم اس کا حصول صرف اس صورت میں ممکن ہوا کہ آپ نے پیروی رسول اکرم صلعم میں اپنی جان نثاری کو انتہا پر پہنچا دیا۔ اور اگرچہ اس امت میں ہزاروں افراد کے اندر انوار نبوت محمدیہ موجزن ہوئے۔ اور ہزاروں کو نبوت کا درجہ ملا۔ تاہم انہیں بوجہ ختم نبوت نبی کا نام ظاہر طور پر نہ دیا گیا۔ مگر آنحضرت صلعم نے قیامت تک پیدا ہونے والی امت میں صرف اپنے مسیح اور مہدی کو نبی کا نام عطا کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلعم کی اس حدیث کو ہمیشہ برحق قرار دیا ہے۔ مگر اس لفظ نبی کے استعمال کو حقیقی معنوں پر کبھی محمول نہیں کیا۔ اگر حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس لفظ کو لغوی اور مجازی معنوں میں حضرت مرزا صاحب کے لئے محولہ بالا تحریر میں استعمال فرمایا ہے تو اس میں کیا خطا کی ہے۔ اگر غازی صاحب انوار نبوت محمدیہ کی تجلیات کے قائل نہیں تو نہ ہوں ہم نے ان تجلیات کا نظارہ حضرت مرزا صاحب کی ذات میں دیکھا ہے اس لئے ہم بفضل خدا اس امر پر محکم ایمان رکھتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

تحدیث کے لغوی معنی اور غازی صاحب

غازی صاحب نے "ایک غلطی کے ازالہ" سے مندرجہ ذیل الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس سہ ورقہ ٹریکٹ میں محدث ہونے سے انکار کیا ہے اور نبی ہونے کا اقرار کیا ہے:

"سو یاد رکھنا چاہئے کہ ان معنوں کی رو سے مجھے نبوت اور رسالت سے انکار نہیں۔ اسی لحاظ سے صحیح مسلم میں بھی مسیح موعود کا نام نبی رکھا گیا۔ اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اس کو پکارا جائے اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنے کسی لغت کی کتاب میں اظہار غیب نہیں ہے مگر نبوت کے معنے اظہار امر غیب ہے"۔

قربان جاؤ اس تبحر علمی پر کیا کیا عجیب و غریب علمی نکتے بیان ہوتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ محترم غازی صاحب کچھ تو انصاف سے کام لیں اور حضرت مرزا صاحب نے از روئے کتب لغت جو فرق نبوت اور محدثیت میں بتایا اس کی سچائی بطیب خاطر تسلیم کر لیں۔ اور اگر فی الواقعہ آپ اپنے ذاتی علم لغت کی بنا پر سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت اقدس کا بیان کردہ فرق غلط ہے تو آپ لغت کا حوالہ دیں جس میں تحدیث کے معنی اظہار غیب ہے۔ اور اس امت میں جس شخص پر اظہار امر غیب ہوتا ہے وہ از روئے لغت محدث کہلاتا ہے اور اگر آپ حضرت مرزا صاحب کے بیان کی تردید نہیں کر سکتے اور کبھی نہیں کر سکیں گے۔ تو پھر اعتراض کی کونسی بات رہ جاتی ہے۔ ہاں البتہ آپ کے تمام اعتراضات کی بنیاد ضرور اکھڑ جاتی ہے۔ اور کیونکہ لغت میں جس کو نبی کہا جاتا ہے وہ حقیقی نبی ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ اظہار امر غیب دراصل مبشرات کا ہی دوسرا نام ہے۔ مبشرات نبوت حقیقی کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مبشرات پانے والا کوئی شخص کبھی حقیقی نبی نہیں ہو سکتا۔ اسے صرف از روئے لغت نبی کہا جا سکتا ہے۔ اور ایسے شخص کو اسلامی اصطلاح میں محدث کہا جاتا ہے۔ تاج العروس اٹھا کر دیکھ لو اس میں تحدیث یا محدث کے معنی اظہار غیب نہیں ہے بلکہ محدث کو مجازی معنوں میں ایسا شخص کہا جس سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا الہام آپ کے دعویٰ کی حقیقت پوری طرح واضح کر دیتا ہے۔ انت محدث اللہ فیک مادۃ فاروقیہ اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصطلاحی معنوں میں محدث فرمایا ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ کی تحریر جو آپ نے تمہید "النبوۃ فی الاسلام" کے صفحہ ۲۳ سے نقل کی ہے وہ آپ کے مفید مطلب نہیں۔ ذرہ تھوڑا سا اوپر کا حصہ شامل کر کے عبارت پڑھیں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ آپ کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ قادیانی لوگ حضرت مرزا صاحب کو کامل نبی مان کر آپ پر اترنے والی وحی پر وحی قرآنی چھوڑ کر عمل کرتے ہیں۔ اور قرآنی احکام پر اس وقت عمل کرتے ہیں جب انہیں حضرت مرزا صاحب کی وحی سے ان کی تصدیق ملتی ہے۔ اور اگر قادیانیوں کا ایسا کوئی عمل نہیں۔ اور نہ ہی وہ حضرت اقدس کی وحی کو وحی متلو قرار دیتے ہیں۔ اور نہ اس کی تلاوت

قرآن کی تلاوت کی طرح ان کا معمول زندگی ہے تو پھر آپ کو حقیقی نبی قرار دینے سے کیا فائدہ ہوا۔ کیا اس سے بہتر نہیں ہے کہ ہماری جماعت احمدیہ لاہور کی طرح انہیں لغوی اور مجازی نبی مانا جائے اور وہ فتنہ جو اس عقیدہ سے پیدا ہوا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے اور مسلمان باہمی خلفشار اور انتشار سے محفوظ ہو جائیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے لکھنے کا مقصد یہ نہیں کہ نتیجہ کے لحاظ سے ہم لاہوری احمدی بھی حضرت اقدس کو حقیقی نبی تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ ہم نے ابتدا سے ہی اجرائے نبوت کے عقیدہ کے موجدوں کے آگے ایک بھاری بھرکم پتھر رکھ دیا ہے کہ حضرت اقدس کے اس اعلان کی جو آپ نے اپنی تصنیف "تریاق القلوب" مجریہ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں بدیں الفاظ کیا تھا۔ "ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا" کی تردید اپنی کسی بعد کی تحریر یا کتاب میں کی ہو تو دکھا دیں۔ یہ بات ایک معمولی علم کا مسلمان بھی بخوبی جانتا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کا انکار کرنا بہرصورت موجب کفر اور اخراج از دائرہ اسلام ہوتا ہے۔ غازی صاحب خوب زور لگا دیکھیں انہیں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی انبار در انبار تحریرات میں نہ ۱۹۱۴ء سے پہلے اور نہ بعد میں کوئی تحریر ملے گی جس میں حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے والے کو کبھی کافر کہا ہو۔ بلکہ جن مسلمانوں نے بلا سوچے سمجھے جوش میں آکر یا مخالف علماء کے دھوکے میں آکر آپ کی تکذیب اور تکفیر کی انہیں بھی آپ نے کفر دون کفر کی ذیل میں ہی رکھا ہے۔ کیا یہ نمایاں فرق غازی صاحب کی آنکھیں روشن کرنے کے لئے کافی نہیں۔ مگر میں بڑے افسوس سے کہتا ہوں کہ جس شخص کی تسلی حضرت مولانا مرحوم کے ٹریکٹ "رد تکفیر اہل قبلہ" کے مطالعہ سے بھی نہیں ہوئی اس کو قائل کرنا میرے جیسے ہیچمیداں کے بس کی بات نہیں۔

ایک عالم دین اہل قبلہ کی تکفیر کے رد میں کتاب لکھتا ہے اور دنیا کو یہ بتاتا ہے کہ تکفیر اہل قبلہ ایک گناہ عظیم ہے اس سے مسلمانوں کو اتحاد ملت کی خاطر فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ مگر غازی صاحب اس عالم دین پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ بھی حضرت مرزا صاحب کے نہ ماننے والے مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے۔ "رد تکفیر اہل قبلہ" ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ ایک دفعہ مخلی بالطبع ہو کر اس کا مطالعہ تو کر دیکھیں۔

تمہید "النبوت فی الاسلام" کی ایک عبارت پر اعتراض کا جواب

غازی صاحب نے مندرجہ ذیل عبارت "النبوت فی الاسلام" بار اول ۱۹۱۵ء کے حوالہ سے لکھی ہے:

"ان کو کامل نبی مان کر بھی تم ان کو مرتبہ اس سے زیادہ کوئی نہیں دیتے ہو۔ جو مرتبہ ہم ان کو جزئی نبی مان کر دیتے ہیں۔ ان کے الہامات جس حد تک تم حجت تسلیم کرتے ہو۔ اسی حد تک ہم تسلیم کرتے ہیں بلکہ عملاً ہم زیادہ تسلیم کرتے ہیں"۔

یہ عبارت "النبوت فی الاسلام" بار اول کے صفحہ ۲۳ پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ کتاب لکھنے سے پہلے حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اس کتاب کی تمہید لکھی تھی جسے تمہید "النبوت فی الاسلام" کا نام دیا تھا۔ جو نہ کبھی اول ایڈیشن کا حصہ بنی جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا اور نہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں شامل کی گئی جو غالباً ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔ یہ چند الفاظ غازی صاحب کے غلط حوالہ کے باعث لکھنے پڑے ہیں۔ اب اس عبارت سے جو نتیجہ غازی صاحب نے نکالا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ لکھتے ہیں:

"اوپر ہونے والی گفتگو احمدیوں کے لاہوری گروہ کی اصل حیثیت بے نقاب کر دیتی ہے۔ کہ وہ مرزا غلام احمد کے تمام دعووں کو مانتا ہے۔ یہ اسے آنحضرت صلعم کا ظل اور بروز تسلیم کرتا ہے یعنی آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی اور حضور کا دوبارہ تجسم پکڑنا۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے تمام الہامات اسی طرح معتبر اور قابل اطاعت ہیں جس طرح کہ انبیاء کی وحی ہوتی ہے۔ عملاً قادیانیوں اور لاہوریوں میں کوئی فرق نہیں صرف لفظی اختلاف ہے۔ اور عملاً ختم نبوت کے معاملہ میں دونوں ہم خیال ہیں۔ دونوں ان صحیح معنوں میں ختم نبوت کے منکر ہیں۔ جو ساری امت مسلمہ میں صدیوں سے مسلمہ چلے آرہے ہیں۔ اس لئے انہیں مسلمان نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔"

ختم نبوت پر میں اتنا مفصل لکھ چکا ہوں کہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ جس رنگ میں امت مسلمہ صدیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء قرار دیتی چلی آرہی ہے۔ اس رنگ میں آنحضرت صلعم ہرگز آخری نبی قرار نہیں پاتے۔ کیونکہ وہ اس پختہ عقیدہ پر جمی بیٹھی ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے اسلام اور مسلمانوں کی رستگاری کے لئے دوبارہ دنیا میں نزول فرمانا ہے۔ گویا وہ پرانے نبی کی دوبارہ آمد کی قائل ہیں۔ اور قادیانی جماعت ایک نئے نبی کی قائل ہے لہٰذا جماعت احمدیہ لاہور کے نزدیک دونوں ہی منکر ختم نبوت ہیں۔

میں گزشتہ صفحات میں ظل اور بروز پر مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔ اور

غازی صاحب کے اس کہنے کو بہتان عظیم قرار دیتا ہوں کہ جماعت احمدیہ لاہور ظل سے مراد آنحضرت صلعم کی بعثت ثانی لیتی ہے۔ اور بروز سے یہ مراد لیتی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی روح پاک حضرت مرزا صاحب کے جسم خاکی میں حلول کر گئی تھی۔ میں اس الزام کی بھی پر زور تردید کرتا ہوں کہ جماعت احمدیہ لاہور حضرت مرزا صاحب کے الہامات کو وہی درجہ اور مقام دیتی ہے جو انبیاء کی وحی کو حاصل ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی اوپر درج شدہ تحریر کو سیاق اور سباق میں رکھ کر پڑھنے سے قارئین پر واضح ہو جائے گا۔ کہ غازی صاحب نے عبارت کا چھوٹا سا حصہ پیش کر کے سخت دھوکا دیا ہے۔ مولانا صاحب نے قادیانیوں کو مخاطب کر کے لکھا تھا:

"دوستو تم کس غلطی میں پڑ گئے ہو جس سے دوسروں کو نکالنے کے لئے حضرت مسیح موعود معبوث ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں بعض جگہ لوگوں نے اختلاف سمجھ کر جھٹ ایک آیت سے دوسری کو منسوخ قرار دے دیا۔ اور اسی غلطی میں بعض بڑے بڑے اہل علم و فضل بھی پڑے رہے مگر درحقیقت یہ عقیدہ درست نہ تھا۔ سو حضرت مسیح موعود نے کیسی اصلاح فرمائی۔ مگر آج تم خود اس غلطی میں مبتلا ہو رہے ہو۔ تم پہلی اور پچھلی تحریروں کو تطبیق دینے سے گھبراتے ہو۔ حضرت صاحب کے دعویٰ کے بارہ میں ناسخ و منسوخ کے بے ہودہ خیال کو ترک کرو اور سب تحریروں کو تطبیق دو۔ یاد رکھو کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریروں کو منسوخ قرار دے کر بھی تمہارا چھٹکارا نہیں۔ ۱۹۰۱ء کے بعد بھی وہی لفظ پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے کچھ میں نے بطور نمونہ لکھ دیا ہے۔ حضرت صاحب کے دعویٰ رسالت اور نبوت میں اس وقت سے لے کر جب آپ کو معبوث کیا گیا رسول اور نبی کا لفظ آپ کے الہامات میں آیا آخر تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ نہ کوئی آپ کی تحریر جس کی بنیاد وحی الٰہی ہو منسوخ ہے۔ اور خود دعویٰ کے متعلق یہ کہنا تو پرلے درجے کی بے ادبی آنجناب کی ہے۔ نبوت کاملہ آپ کی طرف منسوب کر کے سوائے اس کے کچھ تمہارے ہاتھ میں نہیں آئے گا۔ کہ آپ کی بیعت میں جو لوگ شامل نہیں ہیں وہ کافر بن جائیں گے مگر یاد رکھو کہ ان کو کافر بنا کر تم پھر خود بھی کفر کے فتووں سے بچ نہیں سکتے۔ بے شک ہم پر پہلے بھی کفر کے فتوے لگے مگر ان میں ہم حق پر تھے دوسرے ظالم تھے اب تم خود دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا کر اپنے لئے کفر کا فتویٰ خریدتے ہو اور قابل معافی نہیں۔ پہلے ظالم دوسرے تھے اب ظلم اور زیادتی تمہاری طرف سے ہوگی۔ کامل نبوت اور جزوی نبوت میں فرق صرف اس قدر ہے۔ ان کو کامل نبی مان کر بھی تم ان کو مرتبہ اس سے زیادہ کوئی نہیں دیتے جو مرتبہ ہم ان کو جزی نبی مان کر دیتے ہیں۔ ان کے الہامات جس حد تک تم حجت تسلیم کرتے ہو اس حد تک ہم تسلیم کرتے ہیں بلکہ عملاً ہم زیادہ تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی پیشگوئیاں اور وحی کو نبوت کاملہ سے کوئی تعلق نہیں اگر تعلق ہوتا تو ۱۹۰۱ء سے پہلے اور ۱۹۰۱ء سے بعد کی وحی میں ظاہر ہوتا۔ مسیح موعود تم بھی مانتے ہو ہم بھی مانتے ہیں اگر کوئی فرق پڑتا ہے۔ تو صرف اس قدر کہ تم انہیں کامل نبی کہہ کر ان نبیوں میں داخل کرنا چاہتے ہو جن کے انکار سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ورنہ کیا کامل نبی کہہ کر تم آپ کے الہامات کو کوئی نیا مرتبہ دیتے ہو کیا ان کو نماز میں پڑھنا جائز سمجھتے ہو۔ جس طرح حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے خلاف اس امر سے استدلال کیا ہے کہ اگر وہ واپس آئیں تو پھر انجیل کو نماز میں پڑھیں اب اگر تم ان کو ویسا ہی کامل نبی سمجھتے ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو پھر ان کے الہامات کے لئے بھی وہی مرتبہ تجویز کرو۔ ورنہ ناحق ایک ایسے امر کے اختیار کرنے سے کیا فائدہ جس سے حضرت مسیح موعود کی پندرہ سال کی تحریروں پر پانی پھر جائے اور آپ کے تمام دلائل سے امن اٹھ جائے اور آپ کا حکم بننا ایک مضحکہ خیز بات بن جائے"۔

کسی تقریر یا تحریر کے اصل مطالب کو مسخ کر کے اپنی مطلب براری کے لئے پیش کرنا کوئی قابل قدر کارنامہ نہیں ہوتا۔ بہرحال میرا پیش کردہ اقتباس ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے جو غازی صاحب نے کتر و بیونت سے کام لے کر پیدا کی ہے۔ میرا اپنا اندازہ یہی ہے کہ غازی صاحب نے بذات خود حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ کی کوئی تصنیف نہیں پڑھی۔ مخالفوں نے اپنے مطلب کی کچھ باتیں اعتراضات کی خاطر جمع کر رکھی ہیں۔ ان صاحب نے صرف ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس لئے ان کے تمام اعتراضات بڑی عام سی نوعیت کے ہیں۔

غازی صاحب کی نگاہ میں مسلمانوں کے بارے میں جماعت احمدیہ لاہور کا موقف

غازی صاحب کا آخری اعتراض جماعت احمدیہ لاہور پر یہ ہے کہ اگرچہ یہ زبانی ہی کہتی رہتی ہے کہ جو مسلمان حضرت مرزا صاحب کو نہیں مانتے انہیں یہ کافر نہیں کہتی۔ مگر فی الحقیقت یہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی خیال آرائی ان کی زبانی سنئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مسٹر محمد علی لاہوری نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کی تحریرات کا لب لباب یہ ہے کہ جو لوگ مرزا صاحب کو نہیں مانتے وہ

تین اقسام کے ہیں۔

اول وہ جو مرزا صاحب کی بیعت نہیں کرتے مگر آپ کو نہ کافر قرار دیتے ہیں اور نہ ان کے دعوؤں میں انہیں کاذب کہتے ہیں۔ یہ کافر نہیں ہوتے۔

دوم وہ جو مرزا صاحب کو اس کے دعوؤں میں کاذب قرار دیتے ہیں۔ یہ کافر ہیں۔

سوئم وہ جو مرزا صاحب کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی کافر ہیں۔ یہ صورت حال رسالہ مذکور کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے واضح ہو جاتی ہے۔

"مسیح موعود نے اب بھی اپنے انکاریا آپ کے دعوؤں کے انکار کو کسی شخص کو کافر قرار دینے کی بنیاد نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے خیال کے مطابق کسی کو کافر قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص نے مرزا صاحب کی تکذیب کر کے ایک مسلمان کو کافر قرار دیا ہے۔

ایک حدیث نبویؐ ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کو کافر کہے تو وہ کفر کفر پر لوٹ کر پڑتا ہے۔ اس حدیث کی رو سے کفر اس پر لوٹے گا جو آپ کی تکذیب کرتا ہے۔

وہ شخص جو مرزا صاحب کو کافر قرار دیتا ہے جو آپ کو مفتری قرار دیتا ہے وہ دونوں ایک ہی قسم ہیں۔ کیونکہ دونوں مدعی کی تکفیر کرتے ہیں اس لئے دونوں اس حدیث کے ماتحت کفر کے نیچے آجاتے ہیں۔

مجھے افسوس سے لکھنا پڑا ہے کہ اوپر نقل کردہ عبارتیں مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ کے رسالہ "رد تکفیر اہل قبلہ" ایڈیشن ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۳۰ پر موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے غازی صاحب نے مولانا مرحوم کی عبارت کا مفہوم اپنی زبان میں لکھ دیا ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صفحہ ۳۰ کی پوری عبارت لکھ دوں تاکہ اس کا صحیح مفہوم قارئین سمجھ سکیں۔ حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا:

"حضرت مسیح موعود سارے دعووں کے منکروں کا ذکر نہیں کر رہے بلکہ صرف انہی کا جو آپ کو مفتری یا کاذب کہتے ہیں۔ اور "تریاق القلوب" میں کافر کہنے والے اور کاذب کہنے والے کو ایک ہی قسم میں رکھا ہے۔ دونوں تحریروں میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ ایک ہی مذہب ہے"۔

ایک اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ اسی "حقیقتہ الوحی" کی عبارت میں جو اوپر نقل ہو چکی ہے لکھا ہے "پس جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افتراء کیا ہے اس صورت میں میں نہ صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا۔ اب اس سے دو باتیں صاف ہوئیں۔ اول یہ کہ وہی شخص جس کو اوپر نہ ماننے والا کہا ہے یہاں اس کو مکذب کہا ہے اور مکذب وہی ہوتا ہے جو ایک مدعی کی تکذیب کرے یعنی اسے کاذب کہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں ان نہ ماننے والوں کا ذکر ہے جو مفتری کہتے ہیں اور جن کا ذکر "تریاق القلوب" میں کافر کہنے والوں کی ذیل میں کیا ہے۔ اور دوسری یہ بات صاف ہوئی کہ حضرت مسیح موعود نے اب بھی اپنے انکار یا اپنے دعویٰ کے انکار کو وجہ کفر قرار نہیں دیا۔ بلکہ وجہ کفر صرف اسی بات کو قرار دیا ہے کہ مفتری کہہ کر اس نے مجھے کافر کہا۔ اس لئے اسی حدیث کے مطابق جو کافر کہنے والے پر کفر لوٹاتی ہے اس صورت میں کفر لوٹا۔ پس اب بھی وہی بات قائم ہے جو "تریاق القلوب" میں کہی تھی یعنی حاشیہ ص ۱۳۰ میں......"

گویا اب بھی اپنے دعوے کے انکار کو وجہ کفر قرار نہیں دیا جیسا کہ "تریاق القلوب" میں بھی اپنے دعوے کے انکار کو وجہ کفر قرار نہیں دیا تھا بلکہ چونکہ کافر کہنے والا اور کاذب کہنے والا معناً یکساں ہیں یعنی مدعی کی دونوں تکفیر کرتے ہیں اس لئے دونوں اس حدیث کے ماتحت خود کفر کے نیچے آجاتے ہیں۔

چوتھا قرینہ حقیقتہ الوحی ص 162 کا حاشیہ ہے جہاں پر اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ وہ وجہ کفر مفتری کہنے والے میں کیا ہوتی ہے۔ آیا انکار دعویٰ وجہ کفر ہے۔ جیسا کہ انبیاء میں سے یا وہ حدیث جو تکفیر کرنے والے کو کافر قرار دیتی ہے۔

غازی صاحب استدلال کرتے ہیں کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ لاہوری جماعت کے اس موقف سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ مسلمان جو مرزا صاحب کو نہیں مانتا اس گروہ کے نزدیک کافر ہے۔ دراصل ہر شخص جو انہیں نہیں مانتا لازمی طور پر انہیں ان کے دعوؤں میں کاذب جانتا ہے۔ پس ہر مسلمان جو مرزا صاحب کے دعوؤں کی نسبت علم رکھتا ہے وہ ان کے نظریے کے مطابق کافر ہے۔ غازی صاحب کے لئے اس استدلال کی بنیاد موجودہ صورت حال ہے۔ جبکہ مخالف علماء کی مسلسل جدوجہد سے عوام الناس کو پوری طرح گمراہ کیا گیا ہے۔ اور انہیں باور کرایا گیا ہے کہ مرزا غلام احمد نعوذ باللہ مفتری اور کاذب تھے اور ان سے وابستہ تمام احمدی کافر ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں صورت حالات بالکل مختلف تھی۔ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ اور بیدار مغز طبقہ آپ سے بڑا حسن ظن رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال مرحوم بھی آپ کے عقید تمندوں میں سے تھے۔ اور اس تحریک سے بڑی مثبت امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی

بیشتر حصہ مسلمانوں کا موجود تھا۔ جو مخالف پراپیگنڈہ سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس تحریک میں وہ غالی گروہ بھی ابھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس نے امت محمدیہ میں ایک طرف جدید نبوت کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف روئے عالم کے کل مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اس لئے مسلمانوں میں بیسویں صدی کے ابتدائی دہائیوں میں حضرت مرزا صاحب کو مفتری اور کافر کہنے والے لوگ زیادہ تعداد میں نہ تھے۔ اس لئے جماعت احمدیہ لاہور نے جو موقف مسلمانوں کے بارے میں اختیار کیا تھا۔ وہ مبنی بر حقیقت تھا۔ اور وہ موقف حضرت مرزا صاحب کی تعلیم کے عین مطابق تھا۔ اور وہ تعلیم یہ تھی۔

"یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کا انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدید لاتے ہیں لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا"۔ (حاشیہ تریاق القلوب ص ۱۳۰)

اب رہ گیا مکفرین اور مکذبین کا معاملہ۔ تو اس صورت میں ایسے لوگوں کے لئے وہی سزا ہے۔ جو گزشتہ محدثین اور صلحا کے تشدد مکفرین اور مکذبین کی تھی اور جو مسلمان کلمہ گوؤں کو کافر اور مفتری قرار دینے والوں کے لئے احادیث میں مقرر ہوئی ہے۔ قادیانی اور لاہوری احمدیوں کے موقف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قادیانی گروہ کہتا ہے "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں"۔ مگر لاہوری احمدی حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا انکار کرنے والے مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔ اور آپ کی تکفیر اور تکذیب کرنے والوں پر بھی حدیث نبوی کے مطابق انکا کفر اور کذب لوٹاتے ہیں۔ کتنی حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اتنے بڑے اور نمایاں فرق کے باوجود بھی غازی صاحب دونوں جماعتوں کے نظریوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ اگر مسلمان ایک مامور من اللہ کی تکذیب اور تکفیر کر کے سزا کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیں تو اس میں جماعت احمدیہ کا کیا قصور ہے۔

آپ نے اس سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی ہیں اور ان پر النووی اور ابن حجر کی تفسیر پیش کی ہے۔ ہمیں ان سے سرمو اختلاف نہیں ہے۔ ہم انہیں اپنے سر اور آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی حدیث نمبر ۶۱۰۳ تو پیش کر دی مگر یہ نہیں بتایا کہ حدیث کے مطابق جب ایک شخص اپنے بھائی کو کہتا ہے اے کافر تو ان میں سے ایک ایسا ہو جاتا ہے۔ تو وہ کیا ہو جاتا ہے۔ کیا وہ اپنے بھائی کی تکفیر کر کے مومن صادق ہو جاتا ہے۔ یا شرافت کی بلندی سے قعر مذلت میں گر پڑتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے بخاری شریف کی حدیث نمبر ۶۰۴۴ بھی لکھ دی ہے۔ مگر اس پر کوئی بحث نہیں کی ہے۔ یہ حدیث شریف کہتی ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کو معصیت کے گناہ سے متہم کرتا ہے یا اسے کافر قرار دیتا ہے تو یہ الزام اس کی طرف لوٹے گا بشرطیکہ متہم شخص ایسا نہ ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ کسی شخص کے کردار پر جھوٹا الزام لگانے والا شریعت کی رو سے سزا پاتا ہے یا نہیں۔ آخر قذف کسے کہتے ہیں۔ اسی طرح مکذب اور مکفر کی بھی معقول سزا ہونی چاہئے تاکہ اسلامی معاشرہ اس فتنہ سے محفوظ و مصئون رہے۔

صحیح مسلم کے مفسر النووی کی تفسیر کے درج کردہ الفاظ بڑے قابل غور ہیں۔ وہ فرماتے ہیں صحیح الخیال مسلمانوں کا یہ مسلمہ مسلک ہے کہ کوئی مسلمان قتل اور زنا یا کسی کو کافر قرار دے کر کافر نہیں ہو جاتا۔ جب تک کہ وہ اسلام کو جھوٹا قرار نہ دے۔

غازی صاحب مکرم! شریعت کے قانون کے تحت ایک قاتل اپنے جرم کی سزا پاتا ہے زانی اپنے جرم کی سزا پاتا ہے۔ اور مکفر اپنے گناہ کی سزا پاتا ہے۔ یہ آپ نے کہاں سے پڑھ لیا ہے کہ مولانا محمد علی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے مکذب اور مکفر کو کافر دائرہ اسلام سے خارج لکھا ہے۔ اگر آپ نے "رد تکفیر اہل قبلہ" اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا تو اس کے سرورق پر طبرانی کی یہ حدیث جلی حروف میں لکھی ہوئی نظر آتی۔

فمن کفر اهل لا اله الا الله فهو الی الکفر اقرب

کاش آپ نے مولانا صاحب کے ان الفاظ پر ہی ٹھنڈے دل سے غور کی ہوتی جو آپ نے اپنے اسی رسالہ کے ابتدائی حصہ میں لکھے تھے۔

"اگر آج تمام مسلمان اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ ہم کسی مکفر کو اپنا پیش رو نہیں بنائیں گے تو دس سال کے اندر تکفیر کی بیماری کا خاتمہ ہو کر اور مسلمانوں میں وحدت پیدا ہو کر وہ تعمیر اسلام کا کوئی مفید کام کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ مسلمان ہے اور اسے کافر کہنے والا دشمن اسلام ہے جو کلمہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا اقرار کرتا ہے۔ وہ مسلمان ہے اور اسے کافر کہنے والا خدا اور اس کے رسولؐ کے عہد کو توڑتا ہے۔ اور اپنی ہوا و ہوس کی اتباع کرتا ہے۔ ایسے شخص کو وہی مرتبہ دو جو رسول اللہ صلعم نے اس کے لئے تجویز کیا ہے وہ کفر لوٹ کر اس پر پڑتا ہے۔ اگر دنیا میں کوئی کلمہ گو ایسا ہے جو مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں تو وہ یہی مسلمان کو کافر کہنے والا ہے"۔

جماعت احمدیہ کا مسلک حضرت مولانا صاحب مرحوم کی اس تحریر کے مطابق ہے اور وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ جب تک کوئی کلمہ طیبہ کا انکار نہیں کرتا۔ خواہ اس میں کئی وجوہ کفر کی پائی جاتی ہوں۔ وہ دائرہ اسلام کے اندر ہی

رہتا ہے۔ اور اس کا کفر کفردون کفر کی ذیل میں ہوتا ہے۔ اور ہم امام النووی کی تشریح کو درست تسلیم کرتے ہیں اور ابن حجر نے بھی حدیث کی جو تشریح فتح الباری میں کی ہے اس سے بھی ہمیں پورا پورا اتفاق ہے اگر اتفاق نہیں تو صرف حضرت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور کے مخالف علماء اور ایم اے غازی صاحب کو نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا جب معاملہ ہو تو وہ علماء حق کے اس فتویٰ کی آڑ لے لیتے ہیں۔ کہ اگر ایک شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو اسے مسلمان سمجھا جائے۔ مگر جب حضرت مرزا صاحب اور آپ کے پیروکاروں کا معاملہ ہو تو پھر یہ اصول اختیار کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص میں ننانوے وجوہ اسلام کی ہوں اور ایک وجہ کفر کی ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ دعویٰ مسیحیت اور مہدویت کو تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف رکھ دیجئے اور پھر حضرت مرزا صاحب کی ساری زندگی پر نگاہ دوڑایئے۔ اور انصافاً بتایئے کہ حضرت ممدوح کے قول اور فعل میں کون سی بات آپ کو اسلامی تعلیمات کے خلاف دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد آپ کے ان دعوؤں کو لیں اور آپ کی خدمات اسلامیہ کو سامنے رکھیں۔ کیا آپ کے جملہ کارنامے جو آپ نے حفاظت اور دفاع اسلام کے سلسلہ میں سرانجام دیئے اور جن کا اعتراف ایک دنیا کو ہے آپ کے ان دعوؤں کی تصدیق نہیں کرتے۔ اسی طرح جماعت احمدیہ لاہور کے اکابر اور دوسرے افراد کی زندگی بھی دنیا کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ اور ان پر کوئی سلیم الفطرت شخص انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اس جماعت کی ساری زندگی اجرائے نبوت کے باطل عقیدہ اور تکفیر اہل قبلہ کے خلاف مسلسل جہاد میں گزر گئی ہے۔ مگر غازی صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہمیں متہم کر رہے ہیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو ظلی بروزی نبوت کی آڑ میں دراصل ہم بھی قادیانیوں کی طرح حقیقی نبی مانتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گو مسلمانوں کو کافر دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں صریح جھوٹ پر مبنی ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت مرزا صاحب اسلامی اصطلاح میں ہرگز نبی نہ تھے۔ بلکہ صرف محدث تھے۔ محدث کا منکر کافر نہیں ہوتا۔ مگر نبی کا منکر بہرصورت کافر ہوتا ہے۔ تکذیب اور تکفیر اگر محدث کی ہو تو یہ گناہ عظیم ہے۔ مگر یہ کفر بہرحال ایک فرع کا ہے اصل کا نہیں۔ اسی لئے اکابر اہل سنت نے اس کو کفر دون کفر کے تحت رکھا ہے۔ مگر غازی صاحب نے کفر دون کفر کو پیٹھ پیچھے پھینک کر خوشی اس بات پر منائی کہ احمدی کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ تمام احمدی کلمہ طیبہ پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ تمام ارکان دین کی حتی الوسع پابندی کرتے ہیں۔ اور امر معروف اور نہی عن المنکر کی تلقین اور تبلیغ کرتے ہیں۔ قال اللہ و قال الرسول کے مطابق زندگی کا پاک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دنیا کی عدالتوں کے دروازے تو ہم پر بند ہیں مگر خدا تعالیٰ کی عدالت کے دروازے تو دنیا کی کوئی طاقت بند نہیں کر سکتی۔ ہم اپنا مقدمہ اس احکم الحاکمین کی عدالت میں دائر کر چکے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز وہاں سے ہمیں انصاف ضرور ملے گا۔ اور ظلم اور ناانصافی کا ضرور خاتمہ ہو گا۔

میں اپنے اس مضمون کو اس گفتگو کو پیش کر کے ختم کرتا ہوں۔ جو وفات سے چند روز قبل حضرت مرزا صاحب کی میاں فضل حسین بار ایٹ لاء سے لاہور کے مقام پر ہوئی۔

"سوال: پھر اس معزز ملاقات کرنے والے مسٹر فضل حسین بیرسٹرایٹ لاء نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جاوے تو پھر اسلام میں کچھ باقی نہیں رہتا۔

جواب: فرمایا ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن جائے۔ آپ کو شائد معلوم نہ ہو جب میں نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے بعد بٹالہ کے مولوی محمد حسین ابو سعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے دجال ہے ضال ہے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے جو ان سے السلام علیکم یا مصافحہ کرے یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سنو یہ متفق علیہ مسئلہ ہے جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اب آپ خود کہہ دیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے۔ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو انہی کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی ہم نے کہا دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے خط لکھا ہم تجھے کافر سمجھتے ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں۔ اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے۔ لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اسے کافر نہ سمجھیں۔ تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے ہو نہیں سکتا"۔ (اخبار بدر مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

اگر مسلمان ایک مومن صادق کو کافر کہہ کے حدیث نبوی کے تحت کافر ہو گئے ہیں تو اس میں حضرت مرزا صاحب کا کیا قصور ہے۔ گناہ کا وبال ہمیشہ اس شخص کے سر ہوتا ہے جو اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ جو کسی کے گھر پر ڈاکہ ڈالتا ہے وہ ڈاکو کہلاتا ہے۔ اس کی ذلت اس کے اپنے فعل بد سے ہوتی ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نے کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنے میں ابتداء کی ہوتی تو وہ اس الزام کے نیچے آتے۔ مگر ابتداء مسلمانوں نے کی اور اس الزام کے نیچے آ گئے۔ اور خود کردہ را علاج نیست والی بات ہو گئی۔ ان کے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ موجودہ روش چھوڑ دیں اور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھنا شروع کر دیں۔ اگر ایسا نہ ہو گا تو پھر منحوس دنوں کے آنے میں بھی کوئی دیر نہ ہو گی۔